اس شمارے میں

حرف اوّل

فریضۂ حج اور حیاتِ ابراہیمؑ کے مراحل	ڈاکٹر اسرار احمد	2

مطالعہ قرآن حکیم

سورۃ البقرۃ (آیات ۹۷ تا ۱۱۲)	ڈاکٹر اسرار احمد	3

فہم القرآن

ترجمۂ قرآن مجید، مع صرفی ونحوی تشریح	لطف الرحمٰن خان	16

عظمت و اعجاز قرآن

عظمت قرآن ـــــ ایک اور پہلو	پروفیسر حافظ احمد یارؒ	27

حسن عبادت

نماز میں صف بندی: اہمیت اور طریقۂ کار	جواد حیدر	39

امتحان ہے زندگی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحانات: آئینہ قرآنی میں	حافظ محبوب احمد خان	51

کتاب نما

تعارف وتبصرۂ کتب	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	62

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

12/1/07

ماہنامہ حکمتِ قرآن لاہور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد

مدیر منتظم: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: حافظ خالد محمود خضر

ادارۂ تحریر:

حافظ عاطف وحید۔ حافظ محمد زبیر

پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی۔ پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

جلد ۲۶ | ذوالحجہ ۱۴۲۷ھ ۔ جنوری ۲۰۰۷ء | شمارہ ۱

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون 3-5869501

publications@tanzeem.org

ویب سائٹ: www.tanzeem.org

سالانہ زرِ تعاون: 100 روپے، فی شمارہ 10 روپے

انڈیا 700 روپے، یورپ افریقہ 1100 روپے، امریکہ کینیڈا آسٹریلیا 1400 روپے

حرف اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فریضۂ حج اور حیاتِ ابراہیمؑ کے مراحل

حج درحقیقت ایک فرض عبادت ہے ہر زادِ راہ رکھنے والے صاحب استطاعت مسلمان پر‘ ازروئے نصِ قرآنی: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ (آل عمران) ’’اور لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر (بیت اللہ) تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔‘‘ پھر حج میں جو مناسک ادا کیے جاتے ہیں ان کو شعائر اللہ قرار دیا گیا ہے—— سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ (آیت ۱۵۸) ’’یقیناً صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ لہٰذا جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس کے لیے کوئی گناہ کی بات نہیں کہ وہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی کرلے‘‘۔

سورۃ الحج میں فرمایا کہ قربانی کے جانور بھی شعائر اللہ میں سے ہیں: ﴿وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾—— جبکہ بیت اللہ اس زمین پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا شعیرہ ہے۔ شعائر کے مجازی معنی ہیں ’’وہ چیزیں جن کے ادب و احترام کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے‘‘۔ اس کے ایک مجازی معنی نشانی اور علامت کے بھی آتے ہیں۔ حج کے یہ سب شعائر کیا ہیں؟ دراصل یہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے مختلف مراحل ہیں۔ یہ اسی داستانِ عزیمت و امتحان کے مختلف ابواب اور ان کے اَوراق ہیں جن کی ہر سال یاد منائی جاتی ہے۔ یہ جو بین الصفا والمروۃ سعی ہو رہی ہے یہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کی اس عالم بے تابی کی نشانی ہے جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو وادیٔ غیر ذی زرع میں چھوڑ کر چلے گئے تھے اور وہ ننھی سی جان اسماعیلؑ پیاس سے تڑپ رہی تھی اور حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ دوڑی تھیں اور ہر چکر میں پہاڑ پر چڑھ کر پانی ڈھونڈنے کے لیے چاروں طرف نگاہیں دوڑاتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی اس مؤمنہ بندی کی یہ ادا اتنی بھائی کہ حج اور عمرہ کرنے والوں کے لیے مسعیٰ میں دوڑنے کو شعائر اللہ میں سے قرار دے دیا۔ یہ اس لیے بھی ہوا کہ یہ حضرت ہاجرہ کے اللہ پر توکل اور صبر کی بھی ایک عظیم الشان

(باقی صفحہ 38 پر)

حرفِ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فریضۂ حج اور حیاتِ ابراہیمیؑ کے مراحل

حج درحقیقت ایک فرض عبادت ہے ہر زادِ راہ رکھنے والے صاحبِ استطاعت مسلمان پر، ازروئے نصِ قرآنی: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ (آل عمران) ''اور لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر (بیت اللہ) تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔'' پھر حج میں جو مناسک ادا کیے جاتے ہیں ان کو شعائر اللہ قرار دیا گیا ہے —— سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ (آیت ۱۵۸) ''یقیناً صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ لہٰذا جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس کے لیے کوئی گناہ کی بات نہیں کہ وہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی کر لے''۔

سورۃ الحج میں فرمایا کہ قربانی کے جانور بھی شعائر اللہ میں سے ہیں: ﴿وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ —— جبکہ بیت اللہ اس زمین پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا شعیرہ ہے۔ شعائر کے مجازی معنی ہیں ''وہ چیزیں جن کے ادب و احترام کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے''۔ اس کے ایک مجازی معنی نشانی اور علامت کے بھی آتے ہیں۔ حج کے یہ سب شعائر کیا ہیں؟ دراصل یہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے مختلف مراحل ہیں۔ یہ اسی داستانِ عزیمت و امتحان کے مختلف ابواب اور ان کے اوراق ہیں جن کی ہر سال یاد منائی جاتی ہے۔ یہ جو بین الصفا والمروۃ سعی ہو رہی ہے یہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کی اس عالم بے تابی کی نشانی ہے جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو وادیٔ غیر ذی زرع میں چھوڑ کر چلے گئے تھے اور وہ ننھی سی جان اسماعیلؑ پیاس سے تڑپ رہی تھی اور حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ دوڑی تھیں اور ہر چکر میں پہاڑ پر چڑھ کر پانی ڈھونڈنے کے لیے چاروں طرف نگاہیں دوڑاتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی اس مؤمنہ بندی کی یہ ادا اتنی بھائی کہ حج اور عمرہ کرنے والوں کے لیے مسعیٰ میں دوڑنے کو شعائر اللہ میں سے قرار دے دیا۔ یہ اس لیے بھی ہوا کہ یہ حضرت ہاجرہ کے اللہ پر توکل اور صبر کی بھی ایک عظیم الشان

(باقی صفحہ 38 پر)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ البقرۃ

آیات ۹۷ تا ۱۰۳

﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۤ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰي مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۤ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۭ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾

جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے' محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی بعثت یہود کے لیے بہت بڑی آزمائش ثابت ہوئی۔ اُن کا خیال تھا کہ آخری نبوت کا وقت قریب ہے اور یہ نبی بھی حسبِ سابق بنی اسرائیل میں سے مبعوث ہوگا۔ لیکن نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت بنی اسماعیل میں سے ہوگئی۔ یہود جس احساسِ برتری کا شکار تھے اس کی رو سے وہ بنی اسماعیل کو حقیر سمجھتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ اُمّی لوگ ہیں' اَن پڑھ ہیں' ان کے پاس نہ کوئی کتاب ہے نہ شریعت ہے اور نہ کوئی قانون اور ضابطہ ہے' لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اُن میں سے ایک شخص کو کیسے چن لیا؟ ان کا خیال تھا کہ یہ سب جبرائیل کی ''شرارت'' ہے کہ وہ وحی لے کر محمد عربی (ﷺ) کے پاس چلا گیا۔ لہٰذا وہ حضرت جبرائیلؑ کو اپنا دشمن تصور کرتے تھے اور انہیں گالیاں دیتے تھے۔

یہ بات شاید آپ کو بڑی عجیب لگے کہ اہل تشیع میں سے فرقہ ''غرابیہ'' کا عقیدہ بھی کچھ اسی طرح کا تھا۔ حضرت مجدد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے اپنے مکاتیب میں اس فرقے کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت محمد ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں کی ارواح ایک دوسرے کے بالکل ایسے مشابہ تھیں جیسے ایک غراب (کوّا) دوسرے غراب کے مشابہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت جبرائیلؑ دھوکہ کھا گئے۔ اللہ نے تو وحی بھیجی تھی حضرت علیؓ کے پاس' لیکن وہ لے گئے حضرت محمد ﷺ کے پاس۔ یہود کے ہاں یہ عقیدہ موجود تھا کہ اللہ نے تو جبرائیل (علیہ السلام) کو بنی اسرائیل میں سے کسی کے پاس بھیجا تھا' لیکن وہ محمد (ﷺ) کے پاس چلے گئے' اور یہی مفروضہ ان کی حضرت جبرائیلؑ سے دشمنی کی بنیاد تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ((لَیَاْتِیَنَّ عَلٰی اُمَّتِیْ مَا اَتٰی عَلٰی بَنِیْ اِسْرَاءِیْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ))(۱) ''میری اُمت پر بھی وہ تمام احوال لازماً وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر وارد ہوئے تھے' جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے مشابہ ہوتا ہے''۔ چنانچہ اُمت مسلمہ میں سے کسی فرقے کا اس طرح کے عقائد اپنا لینا کچھ بعید نہیں ہے۔ اس سے اس حدیث کی حقیقت منکشف ہوتی ہے۔

آیت ۹۷ ﴿قُلْ مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ﴾ ''(اے نبیؐ!) کہہ دیجیے جو کوئی بھی دشمن ہو جبرائیلؑ کا''

﴿فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ ''تو (وہ یہ جان لے کہ) اُس نے تو نازل کیا ہے اس قرآن کو آپؐ کے دل پر اللہ کے حکم سے''

(۱) سنن الترمذی' کتاب الایمان عن رسول اللہ ﷺ' باب ما جاء فی افتراق ھذہ الامۃ۔

اس معاملے میں جبرائیلؑ کو تو کچھ اختیار حاصل نہیں۔ فرشتے جو کچھ کرتے ہیں اللہ کے حکم سے کرتے ہیں' اپنے اختیار سے کچھ نہیں کرتے۔

﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ ''یہ تصدیق کرتے ہوئے آیا ہے اُس کلام کی جو اس کے سامنے موجود ہے''

﴿وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''اور ہدایت اور بشارت ہے اہل ایمان کے لیے۔''

اس کے بعد اب فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ' اس کے رسولؐ اور اُس کے ملائکہ سب ایک حیاتیاتی وحدت (organic whole) کی حیثیت رکھتے ہیں' یہ ایک جماعت ہیں' ان میں کوئی اختلاف یا افتراق نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی جبرائیلؑ کا دشمن ہے تو وہ اللہ کا دشمن ہے' اور اگر کوئی اللہ کے سچے رسول کا دشمن ہے تو وہ اللہ کا بھی دشمن ہے اور جبرائیلؑ کا بھی دشمن ہے۔

آیت ۹۸ ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ ''(تو کان کھول کر سن لو) جو کوئی بھی دشمن ہے اللہ کا اور اُس کے فرشتوںؑ کا اور اس کے رسولوںؑ کا اور جبرائیلؑ اور میکائیلؑ کا تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اعلان ہے کہ) اللہ ایسے کافروں کا دشمن ہے''۔

آیت ۹۹ ﴿وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ) ہم نے آپؐ کی طرف نازل کر دی ہیں روشن آیات۔''

﴿وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ﴾ ''اور انکار نہیں کرتے ان کا مگر وہی جو سرکش ہیں۔''

یاد کیجیے سورۃ البقرۃ کے تیسرے رکوع میں یہ الفاظ آئے تھے: ﴿وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ﴾ ''اور وہ گمراہ نہیں کرتا اس کے ذریعے سے مگر فاسقوں کو''۔

آیت ۱۰۰ ﴿اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا﴾ ''تو کیا (ہمیشہ ایسا ہی نہیں ہوتا رہا ہے کہ) جب کبھی بھی انہوں نے کوئی عہد کیا''

اللہ سے کوئی میثاق کیا یا اللہ کے رسولوں سے کوئی عہد کیا۔

﴿نَبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ﴾ ''ان میں سے ایک گروہ نے اسے اٹھا کر پھینک دیا''

﴿ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''بلکہ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو یقین نہیں رکھتے۔''

ان کی اکثریت ایمان و یقین کی دولت سے تہی دامن ہے۔

یہی حال آج اُمتِ مسلمہ کا ہے کہ مسلمان تو سب ہیں' لیکن ایمانِ حقیقی' ایمانِ قلبی یعنی یقین والا ایمان کتنے لوگوں کو حاصل ہے؟ ع ''ڈھونڈ اب ان کو چراغِ رُخ زیبا لے کر!''

آیت ۱۰۱ ﴿وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ ''اور جب آیا اُن کے پاس اللہ کی طرف سے ایک رسول (یعنی محمد ﷺ)''

﴿مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ﴾ ''تصدیق کرنے والا اُس کتاب کی جو ان کے پاس موجود ہے''

﴿نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ﴾ ''تو اہل کتاب میں سے ایک جماعت نے اللہ کی کتاب کو پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا''

﴿كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ''گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں۔''

علماءِ یہود نے نبی آخر الزمان ﷺ کی آمد کی پیشین گوئیاں چھپانے کی خاطر خود تورات کو پسِ پشت ڈال دیا اور بالکل انجانے سے ہو کر رہ گئے۔ ان کے عوام پوچھتے ہوں گے کہ کیا یہ وہی نبی ہیں جن کا ذکر تم کیا کرتے تھے؟ لیکن یہ جواب میں کہتے کہ یقین سے نہیں کہہ سکتے' ابھی تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو! انہوں نے ایسا رویہ اپنا لیا جیسے انہیں کچھ علم نہیں ہے۔

اب ایک اور حقیقت نوٹ کیجیے۔ جب کسی مسلمان اُمت میں دین کی اصل حقیقت اور اصل تعلیمات سے بُعد پیدا ہوتا ہے تو لوگوں کا رجحان جادو' ٹونے' ٹوٹکے' تعویذ اور عملیات وغیرہ کی طرف ہو جاتا ہے۔ اللہ کی کتاب تو ہدایت کا سرچشمہ بن کر اُتری تھی' لیکن یہ اُس کو اپنی دُنیوی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بناتے ہیں۔ چنانچہ دشمن کو زیر کرنے اور محبوب کو قدموں میں گرانے کے لیے ''عملیاتِ قرآنی'' کا سہارا لیا جاتا ہے۔ یہ دھندے ہمارے ہاں بھی خوب چل رہے ہیں اور شاید سب سے زیادہ منفعت بخش کاروبار یہی ہے' جس میں نہ تو کوئی محنت کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی سرمایہ کاری کی۔ بنی اسرائیل کا بھی یہی حال تھا کہ وہ دین کی اصل حقیقت کو چھوڑ کر جادو کے پیچھے چل پڑے تھے۔ فرمایا:

آیت ۱۰۲ ﴿وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ﴾ ''انہوں نے پیروی کی اُس علم کی جو شیاطین پڑھا کرتے تھے سلیمان کی بادشاہت کے وقت''

اللہ تعالیٰ نے جنات کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا۔ اُس وقت چونکہ ان کا انسانوں کے ساتھ زیادہ میل جول رہتا تھا' لہٰذا یہ انسانوں کو جادو وغیرہ سکھاتے رہتے تھے۔

﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ''اور سلیمان نے کبھی کفر نہیں کیا' بلکہ یہ تو شیاطین تھے جو کفر کرتے تھے''

﴿يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾ ''وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔''

جادو کفر ہے' لیکن آپ کو آج بھی ''نقش سلیمانی'' کی اصطلاح سننے کو ملے گی۔ اس طرح بعض مسلمان بھی ان چیزوں کو حضرت سلیمان کی طرف منسوب کر رہے ہیں اور وہ ظلم اب بھی جاری ہے۔

﴿وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ﴾ ''اور (وہ اُس علم کے پیچھے پڑے) جو نازل کیا گیا دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر بابل میں۔''

بابل (Babylonia) عراق کا پرانا نام تھا۔ یروشلم پر حملہ کرنے والا بخت نصر (Nebuchadnezzar) بھی یہیں کا بادشاہ تھا اور نمرود بھی بابل ہی کا بادشاہ تھا۔ نمرود عراق کے بادشاہوں کا لقب ہوتا تھا' جس کی جمع ''نمارِدۃ'' ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور حکومت میں جنات اور انسانوں کا باہم میل جول ہونے کی وجہ سے جنات لوگوں کو جادوگری کی تعلیم دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی آخری آزمائش کے لیے دو فرشتوں کو زمین پر اتارا جو انسانی شکل وصورت میں لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ وہ خود ہی یہ واضح کر دیتے تھے کہ دیکھو جادو کفر ہے' ہم سے نہ سیکھو۔ لیکن اس کے باوجود لوگ سیکھتے تھے۔ گویا اُن پر اتمامِ حجت ہو گیا کہ اب ان کے اندر خباثت پورے طریقے سے گھر کر چکی ہے۔

﴿وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ﴾ ''اور وہ نہیں سکھاتے تھے کسی کو بھی''

﴿حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ﴾ ''یہاں تک کہ وہ کہہ دیتے تھے کہ دیکھو ہم تو آزمائش کے لیے بھیجے گئے ہیں' پس تم کفر مت کرو۔''

﴿فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ﴾ ''پھر وہ سیکھتے تھے

اُن دونوں سے وہ شے جن کے ذریعے سے آدمی اور اُس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈالتے تھے۔''

شوہر اور بیوی کے درمیان جدائی ڈالنا اور لوگوں کے گھروں میں فساد ڈالنا' اس طرح کے کام اب بھی بعض عورتیں بڑی سرگرمی سے سرانجام دیتی ہیں۔ اس مقصد کے لیے تعویذ' گنڈے' دھاگے اور نہ جانے کیا کچھ ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں۔

﴿وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ ''اور نہیں تھے وہ ضرر پہنچانے والے اس کے ذریعے کسی کو بھی اللہ کے اِذن کے بغیر۔''

ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ بندۂ مؤمن کو یہ یقین ہو کہ اللہ کے اِذن کے بغیر نہ کوئی چیز فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ ہی نقصان۔ چاہے کوئی دوا ہو وہ بھی باذنِ ربّ کام کرے گی ورنہ نہیں۔ جو کوئی بھی اسبابِ طبیعیہ ہیں ان کے اثرات تبھی ظاہر ہوں گے اگر اللہ چاہے گا' اس کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ جادو کا اثر بھی اگر ہو گا تو اللہ کے اِذن سے ہو گا۔ چنانچہ بندۂ مؤمن کو اللہ کے بھروسے پر ڈٹے رہنا چاہیے اور مصائب و مشکلات کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

﴿وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ﴾ ''اور وہ سیکھتے تھے وہ چیزیں جو خود اُن کو بھی ضرر پہنچانے والی تھیں اور انہیں نفع نہیں پہنچاتی تھیں۔''

﴿وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ ''حالانکہ وہ خوب جان چکے تھے کہ جو بھی اس چیز کا خریدار بنا (یعنی جادو سیکھا) اُس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔''

﴿وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ﴾ ''اور بہت ہی بری تھی وہ چیز جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو فروخت کر دیا۔''

﴿لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ ''کاش انہیں علم ہوتا!''

آیت ۱۰۳ ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا﴾ ''اور اگر وہ ایمان رکھتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے''

﴿لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ﴾ ''تو بدلہ پاتے اللہ کی طرف سے بہت ہی اچھا۔''

﴿لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ ''کاش اُن کو معلوم ہوتا!''

آیات ۱۰۴ تا ۱۱۲

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾﴾

آیت ۱۰۴ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا﴾ ''اے ایمان والو تم رَاعِنَا مت کہا کرو''

﴿وَقُوْلُوا انْظُرْنَا﴾ ''بلکہ اُنْظُرْنَا کہا کرو''

﴿وَاسْمَعُوْا ؕ﴾ ''اور توجہ سے بات کو سنو!''

قبل ازیں منافقین بنی اسرائیل کا ذکر ہوا تھا' جن کا قول تھا: ''سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا''۔ اب یہاں اُن منافقین کا طرزِ عمل بیان ہو رہا ہے جو مسلمانوں میں شامل ہو گئے تھے اور یہود کے زیر اثر تھے۔ یہودی اور ان کے زیر اثر منافقین جب رسول اللہ ﷺ کی محفل میں بیٹھتے تھے تو اگر آپؐ کی کوئی بات انہیں سنائی نہ دیتی یا سمجھ میں نہ آتی تو وہ رَاعِنَا کہتے تھے' جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور (ﷺ!) ذرا ہماری رعایت کیجیے' بات کو دوبارہ دہرا دیجیے' ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ اہل ایمان بھی یہ لفظ استعمال کرنے لگے تھے۔ لیکن یہود اور منافقین اپنے خبثِ باطن کا اظہار اس طرح کرتے کہ اس لفظ کو زبان دبا کر کہتے تو ''رَاعِیْنَا'' ہو جاتا (یعنی اے ہمارے چرواہے!) اس پر دل ہی دل میں خوش ہوتے اور اس طرح اپنی خباثتِ نفس کو غذا مہیا کرتے۔ اگر کوئی ان کو ٹوک دیتا کہ یہ تم کیا کہہ رہے ہو تو جواب میں کہتے ہم نے تو رَاعِنَا کہا تھا' معلوم ہوتا ہے آپ کی سماعت میں کوئی خلل پیدا ہو چکا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم اس لفظ ہی کو چھوڑ دو' اس کی جگہ کہا کرو: اُنْظُرْنَا۔ یعنی اے نبیؐ ہماری طرف توجہ فرمائیے! یا ہمیں مہلت دیجیے کہ ہم بات کو سمجھ لیں۔ اور دوسرے یہ کہ توجہ سے بات کو سنا کرو تاکہ دوبارہ پوچھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔

﴿وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ''اور ان کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۱۰۵ ﴿مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ''اور نہیں چاہتے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے اہل کتاب میں سے اور مشرکین میں سے کہ نازل ہو تم پر کوئی بھی خیر تمہارے ربّ کی طرف سے۔''

جن لوگوں نے دعوتِ حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے' خواہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکینِ مکہ میں سے' وہ اس بات پر حسد کی آگ میں جل رہے ہیں کہ یہ کلامِ پاک آپؐ پر کیوں نازل ہو گیا اور ''خاتم النبیین'' کا یہ منصب آپؐ کو کیوں مل گیا۔ وہ نہیں چاہتے کہ اللہ کی طرف سے کوئی بھی خیر آپ کو ملے۔

﴿وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾ ''اور اللہ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتا ہے۔''

یہ تو اس کا اختیار اور اس کا فیصلہ ہے۔

﴿وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝﴾ ''اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔''

آیت ۱۰۶ ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا﴾ ''جو بھی ہم منسوخ کرتے ہیں کوئی آیت یا اسے بھلا دیتے ہیں''

ایک تو ہے نسخ یعنی کسی آیت کو منسوخ کر دینا اور ایک ہے حافظے سے ہی کسی شے کو محو کر دینا۔

﴿نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا﴾ ''تو ہم (اُس کی جگہ پر) لے آتے ہیں اُس سے بہتر یا (کم از کم) ویسی ہی۔''

﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾ ''کیا تم یہ نہیں جانتے کہ اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے؟'' اسے ہر شے کا اختیار حاصل ہے۔

اس آیت کا اصل مفہوم اور پس منظر سمجھ لیجیے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اللہ کا دین آدم سے لے کر ایں دم تک ایک ہی ہے۔ نوح علیہ السلام کا دین' موسیٰ علیہ السلام کا دین' عیسیٰ علیہ السلام کا دین اور محمد رسول اللہ ﷺ کا دین ایک ہی ہے' جبکہ شریعتوں میں فرق رہا ہے۔ اس فرق کا اصل سبب یہ ہے کہ نوعِ انسانی مختلف اعتبارات سے ارتقاء کے مراحل طے کر رہی تھی۔ ذہنی پختگی' شعور کی پختگی اور پھر تمدنی ارتقاء (social evolution) مسلسل جاری تھا۔ لہٰذا اُس ارتقاء کے جس مرحلے میں رسول آئے اسی کی مناسبت سے ان کو تعلیمات دے دی گئیں۔ ان تعلیمات کے کچھ حصے ایسے تھے جو ابدی (eternal) ہیں' وہ ہمیشہ رہیں گے' جبکہ کچھ حصے زمانے کی مناسبت سے تھے۔ چنانچہ جب اگلا رسول آتا تو اُن میں سے کچھ چیزوں میں تغیر و تبدل ہو جاتا' کچھ چیزیں نئی آ جاتیں اور کچھ پرانی ساقط ہو جاتیں۔ یہ معاملہ نسخ کہلاتا ہے۔ یا تو اللہ تعالیٰ تعین کے ساتھ کسی حکم کو منسوخ فرما دیتے ہیں اور اس کی جگہ نیا حکم بھیج دیتے ہیں' یا کسی شے کو سرے سے لوگوں کے ذہنوں سے خارج کر دیتے ہیں۔ یہودی یہ اعتراض کر رہے تھے کہ اگر یہ دین وہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کا تھا تو پھر شریعت پوری وہی ہونی چاہیے۔ یہاں اس اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے۔

پھر ناسخ و منسوخ کا مسئلہ قرآن میں بھی ہے۔ قرآن میں بھی تدریج کے ساتھ شریعت کی تکمیل ہوئی ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا' شریعت کا ابتدائی خاکہ (blue print) سورۃ البقرۃ میں مل جاتا ہے' لیکن شریعت کی تکمیل سورۃ المائدۃ میں ہوئی ہے۔ یہ جو

تقریباً پانچ چھ سال کا عرصہ ہے اس میں کچھ احکام دیے گئے' پھر اُن میں ردّ و بدل کر کے نئے احکام دیے گئے اور پھر آخر میں یہ ارشاد فرما دیا گیا: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدۃ:۳) ''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین پسند کر لیا ہے''۔ تو یہ ناسخ و منسوخ کا مسئلہ صرف سابقہ شریعتوں اور شریعت محمدیؐ کے مابین ہی نہیں ہے' بلکہ خود شریعتِ محمدی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں بھی زمانی اعتبار سے ارتقاء ہوا ہے۔ مثال کے طور پر پہلے شراب کے بارے میں حکم دیا گیا کہ اس میں گناہ کا پہلو زیادہ ہے' اگرچہ کچھ فائدے بھی ہیں۔ اس کے بعد حکم آیا کہ اگر شراب کے نشے میں ہو تو نماز کے قریب مت جاؤ۔ پھر سورۃ المائدۃ میں آخری حکم آ گیا اور اسے گندا شیطانی کام قرار دے کر فرمایا گیا: ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ ''تو کیا اب بھی باز آتے ہو یا نہیں؟'' اس طرح تدریجاً احکام آئے اور آخری حکم میں شراب حرام کر دی گئی۔ یہاں فرمایا کہ اگر ہم کسی حکم کو منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں تو اُس سے بہتر لے آتے ہیں یا کم از کم اُس جیسا دوسرا حکم لے آتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے' اُس کا اختیار کامل ہے' وہ مالک الملک ہے' دین اُس کا ہے' اس میں وہ جس طرح چاہے تبدیلی کر سکتا ہے۔

آیت ۱۰۰ ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہی کے لیے بادشاہی ہے آسمانوں کی اور زمین کی؟''

﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾ ''اور نہیں ہے تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی بھی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔''

آیت ۱۰۸ ﴿اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ﴾ ''کیا تم مسلمان بھی یہ چاہتے ہو کہ سوالات (اور مطالبے) کرو اپنے رسولؐ سے اُسی طرح جیسے اس سے پہلے موسیٰؑ سے کیے جا چکے ہیں؟''

مثلاً اُن سے کہا گیا کہ ہم آپ کی بات نہیں مانیں گے جب تک کہ اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیں۔ اسی طرح کے اور بہت سے مطالبے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیے جاتے تھے۔ یہاں مسلمانوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اُس روش سے باز رہو' ایسی بات تمہارے اندر پیدا نہیں ہونی چاہیے۔

﴿وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ﴾ ''اور جو کوئی ایمان کے بدلے کفر لے لے گا وہ تو بھٹک چکا سیدھی راہ سے۔''

ظاہر ہے کہ جو منافقین اہل ایمان کی صفوں میں شامل تھے وہی ایسی حرکتیں کر رہے ہوں گے۔ اس لیے فرمایا کہ جو کوئی ایمان کو ہاتھ سے دے کر کفر کو اختیار کر لے گا وہ تو راہِ راست سے بھٹک گیا۔ منافق کا معاملہ دو طرفہ ہوتا ہے' چنانچہ قرآن حکیم میں منافقین کے لیے ''مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ'' کے الفاظ آئے ہیں۔ اب اس کا بھی امکان ہوتا ہے کہ وہ کفر کی طرف یکسو ہو جائے اور اس کا بھی امکان ہوتا ہے کہ بالآخر ایمان کی طرف یکسو ہو جائے۔ جو شخص ایمان اور کفر کے درمیان معلق ہے اُس کے لیے یہ دونوں امکانات ہیں۔ جو کفر کی طرف جا کر مستقل طور پر اُدھر راغب ہو گیا یہاں اس کا ذکر ہے۔

آیت ۱۰۹ ﴿وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا﴾ ''اہل کتاب میں سے بہت سے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تمہیں پھیر کر تمہارے ایمان کے بعد تمہیں پھر کافر بنا دیں۔''

یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی بلی کی دُم کٹ جائے تو وہ یہ چاہے گی کہ ساری بلیوں کی دُمیں کٹ جائیں تاکہ وہ علیحدہ سے نمایاں نہ رہے۔ چنانچہ اہل کتاب یہ چاہتے تھے کہ اہل ایمان کو بھی واپس کفر میں لے آیا جائے۔

﴿حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ﴾ ''بسبب ان کے دلی حسد کے''

ان کا یہ طرزِ عمل ان کے حسد کی وجہ سے ہے کہ یہ نعمت مسلمانوں کو کیوں دے دی گئی؟

﴿مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ﴾ ''اس کے بعد کہ اُن پر حق بالکل واضح ہو چکا ہے۔''

وہ حق کو جان چکے ہیں اور پہچان چکے ہیں' کسی مغالطے یا غلط فہمی میں نہیں ہیں۔

﴿فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا﴾ ''تو (اے مسلمانو!) تم معاف کرتے رہو اور صرفِ نظر سے کام لو''

یہ بہت اہم مقام ہے۔ مسلمانوں کو باور کرایا جا رہا ہے کہ ابھی تو مدنی دَور کا آغاز ہو رہا ہے' ابھی کشمکش' کشاکش اور مقابلہ و تصادم کے بڑے سخت مراحل آ رہے ہیں۔ چونکہ تمہارا

سب سے پہلا محاذ کفارِ مکہ کے خلاف ہے اور وہی سب سے بڑھ کر تم پر حملے کریں گے اور ان سے تمہاری جنگیں ہوں گی' لہٰذا یہ جو آستین کے سانپ ہیں' یعنی یہود' ان کو ابھی مت چھیڑو۔ جب تک یہ خوابیدہ (dormant) پڑے رہیں انہیں پڑا رہنے دو۔ فی الحال ان کے طرزِ عمل کے بارے میں زیادہ توجہ نہ دو' بلکہ عفو و درگزر اور چشم پوشی سے کام لیتے رہو۔

﴿حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ؕ﴾ ''یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ لے آئے۔''

ایک وقت آئے گا جب اے مسلمانو تمہیں آخری غلبہ حاصل ہو جائے گا اور جب تم باہر کے دشمنوں سے نمٹ لو گے تو پھر اِن اندرونی دشمنوں کے خلاف بھی تمہیں آزادی دی جائے گی کہ ان کو بھی کیفرِ کردار تک پہنچا دو۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۰۹﴾﴾ ''یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

آیت ۱۱۰ ﴿وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ؕ﴾ ''اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔''

﴿وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ ؕ﴾ ''اور جو بھلائی بھی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں موجود پاؤ گے۔''

جو مال تم اللہ کی راہ میں خرچ کر رہے ہو وہ اللہ کے بینک میں جمع (deposit) ہو جاتا ہے اور مسلسل بڑھتا رہتا ہے۔ لہٰذا اس کے بارے میں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱۰﴾﴾ ''یقیناً جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔''

آیت ۱۱۱ ﴿وَقَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّۃَ اِلَّا مَنْ کَانَ ہُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ؕ﴾ ''اور یہ کہتے ہیں ہرگز داخل نہ ہوگا جنت میں مگر وہی جو یہودی ہو یا نصرانی ہو۔''

جب یہ نئی اُمت مسلمہ تشکیل پا رہی تھی تو یہودی اور نصرانی' جو ایک دوسرے کے دشمن تھے' مسلمانوں کے مقابلے میں جمع ہو گئے۔ انہوں نے مل کر یہ کہنا شروع کیا کہ جنت میں کوئی ہرگز نہیں داخل ہوگا سوائے اس کے جو یا تو یہودی ہو یا نصرانی ہو۔ اس طرح کی مذہبی جتھے بندیاں ہمارے ہاں بھی بن جاتی ہیں۔ مثلاً اہل حدیث کے مقابلے میں بریلوی اور دیوبندی جمع ہو جائیں گے' اگرچہ اُن کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بیر اپنی جگہ ہے۔ جب ایک مشترکہ دشمن نظر آتا ہے تو پھر وہ لوگ جن کے اپنے اندر بڑے اختلافات ہوتے ہیں وہ بھی ایک متحدہ محاذ بنا لیتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے اس مشترکہ بیان کے جواب میں فرمایا:

﴿ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ﴾ ''یہ ان کی تمنائیں ہیں۔''

یہ ان کی خواہشات ہیں' من گھڑت خیالات ہیں' خوش نما آرزوئیں (wishful thinkings) ہیں۔

﴿ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ ''اُن سے کہو اپنی دلیل پیش کرو اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو۔''

کسی آسمانی کتاب سے دلیل لاؤ۔ کہیں تورات میں لکھا ہو یا انجیل میں لکھا ہو تو ہمیں دکھا دو! اب یہاں پر پھر ایک عالمگیر صداقت (universal truth) بیان ہو رہی ہے:

آیت ۱۱۲ ﴿ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ ﴾ ''کیوں نہیں' ہر وہ شخص جو اپنا چہرہ اللہ کے سامنے جھکا دے اور وہ محسن ہو''

اس کا سر تسلیم خم کر دینے کا رویہ صدق و سچائی اور حسن کردار پر مبنی ہو۔ سر کا جھکانا منافقانہ انداز میں نہ ہو' اس کی اطاعت جزوی نہ ہو کہ کچھ مانا کچھ نہیں مانا۔

﴿ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ ﴾ ''تو اُس کے لیے اُس کا اجر محفوظ ہے اُس کے ربّ کے پاس۔''

﴿ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ ''اور ایسے لوگوں کو نہ تو کوئی خوف لاحق ہوگا اور نہ ہی وہ کسی حزن و ملال سے دوچار ہوں گے۔''

یہ دوسری آیت ہے کہ جس سے کچھ لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ نجاتِ اُخروی کے لیے ایمان بالرسالت ضروری نہیں ہے۔ اس کا جواب پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ مختصراً یہ کہ:

اوّلاً ——— قرآن حکیم میں ہر مقام پر ساری چیزیں بیان نہیں کی جاتیں۔ کوئی شے ایک جگہ بیان کی گئی ہے تو کوئی کہیں دوسری جگہ بیان کی گئی ہے۔ اس سے ہدایت حاصل کرنی ہے تو اس کو پورے کا پورا ایک کتاب کی حیثیت سے لینا ہوگا۔

ثانیاً ——— یہ سارا سلسلۂ کلام دو بریکٹوں کے درمیان آ رہا ہے اور اس سے پہلے یہ الفاظ واضح طور پر آ چکے ہیں: ﴿ وَاٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْۤا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ ۪ ﴾ چنانچہ یہ عبارت ضرب کھا رہی ہے اس پورے کے پورے سلسلۂ مضامین سے جو اِن دو بریکٹوں کے درمیان آ رہا ہے۔ oo

فہم القرآن

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم
ترتیب وتدوین: لطف الرحمٰن خان

سورۃ البقرۃ (مسلسل)

آیت ۲۲۹

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴿۲۲۹﴾﴾

م ر ر

مَرَّ (س) مَرَارَةً : تلخ ہونا' کڑوا ہونا۔

اَمَرُّ (افعل التفضیل): زیادہ کڑوا' انتہائی کڑوا۔ ﴿وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ﴿۴۶﴾﴾ (القمر) ''اور قیامت بڑی مصیبت اور انتہائی کڑوی ہے۔''

مَرَّ (ن) مَرًّا : (۱) رسّی کو بٹنا' دیرپا بنانا' ہیشگی دینا۔ (۲) کسی کے پاس سے گزرنا (بٹی ہوئی رسّی کی ایک لڑی دوسری کے پاس سے گزرتی ہے)۔ ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ﴿۱۰۵﴾﴾ (یوسف) ''اور نشانیوں

میں سے کتنی ہی ہیں زمین اور آسمانوں میں کہ وہ لوگ گزرتے ہیں ان کے پاس سے اس حال میں کہ وہ لوگ ان سے اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔''

مَرَّۃٌ : بار' دفعہ' مرتبہ (یعنی بٹی ہوئی رسّی کی لڑیوں میں سے کوئی لڑی)۔ ﴿اِنَّکُمْ رَضِیْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّۃٍ﴾ (التوبۃ:۸۳) ''بے شک تم لوگ راضی ہوئے بیٹھنے پر پہلی بار۔'' ﴿اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَھُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَھُمْ﴾ (التوبۃ:۸۰) ''اگر آپؐ استغفار کریں ان کے لیے ستر دفعہ تو بھی ہرگز معاف نہیں کرے گا اللہ ان کو۔'' ﴿ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَھُمْ فِیْ کُلِّ مَرَّۃٍ﴾ (الانفال:۵۶) ''پھر وہ لوگ توڑتے ہیں اپنا عہد ہر مرتبہ۔''

اِسْتَمَرَّ (استفعال) اِسْتِمْرَارًا : ہمیشگی چاہنا' یعنی ہمیشہ ہونا' دائمی ہونا۔

مُسْتَمِرٌّ (اسم الفاعل) : ہمیشہ ہونے والا' دائمی۔ ﴿اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ﴾ (القمر) ''بے شک ہم نے بھیجا ان پر ایک تیز آندھی کو ایک دائمی نحوست کے دن۔''

م س ك

مَسَكَ (ض) مَسْكًا : کسی سے متعلق ہونا' کسی سے چمٹنا۔

مَسُكَ (ک) مَسَاكَۃً : مشک کی خوشبو لگانا۔

مِسْكٌ (اسم ذات) : مشک۔ ﴿خِتٰمُہٗ مِسْكٌ﴾ (المطففین:۲۶) ''اس کی مہر مشک ہے۔''

اَمْسَكَ (افعال) اِمْسَاكًا : کسی چیز کو تھامنا' روکنا۔ ﴿اِنَّ اللّٰہَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ (فاطر:۴۱) ''یقیناً اللہ تھامے ہوئے ہے آسمانوں اور زمین کو۔'' ﴿وَلَا تُمْسِكُوْھُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا﴾ (البقرۃ:۲۳۱) ''اور تم لوگ مت روکو ان کو تکلیف دیتے ہوئے کہ تم لوگ زیادتی کرو۔''

اَمْسِكْ (فعل امر) : تو تھام' تو روک۔ ﴿فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ فَاَمْسِكُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾ (الطلاق:۲) ''پھر جب وہ پہنچیں اپنی مدت کو تو تم لوگ روکو اُن کو بھلائی کے ساتھ یا جدا کرو اُن کو بھلائی سے۔''

مُمْسِكٌ (اسم الفاعل) : تھامنے والا' روکنے والا۔ ﴿مَا یَفْتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَۃٍ فَلَا مُمْسِكَ لَھَا﴾ (فاطر:۲) ''جو کھولتا ہے اللہ لوگوں کے لیے اپنی کسی رحمت میں سے تو کوئی

روکنے والا نہیں ہے اس کو۔''

مَسَّكَ (تفعیل) تَمْسِیْكًا : کثرت سے تھامنا' یعنی مضبوطی سے تھامنا' مضبوطی سے پکڑنا۔ ﴿وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ﴾ (الاعراف:۱۷۰) ''اور جو لوگ مضبوطی سے تھامتے ہیں کتاب کو اور قائم رکھتے ہیں نماز کو۔''

اِسْتَمْسَكَ (استفعال) اِسْتِمْسَاكًا : کسی سے چمٹنا چاہنا' چمٹ جانا۔ ﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ق﴾ (البقرة:۲۵۶) ''تو جو انکار کرتا ہے طاغوت کا اور ایمان لاتا ہے اللہ پر تو وہ چمٹ گیا ہے انتہائی مضبوط رسّی سے۔''

اِسْتَمْسِكْ (فعل امر) : تو چمٹ جا۔ ﴿فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ج﴾ (الزّخرف:۴۳) ''پس آپؐ چمٹ جائیں اس سے جو وحی کیا گیا آپؐ کی طرف۔''

مُسْتَمْسِكٌ (اسم الفاعل) : چمٹ جانے والا۔ ﴿اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾ (الزّخرف) ''یا ہم نے دی ان کو کوئی کتاب اس سے پہلے تو وہ لوگ اس سے چمٹ جانے والے ہیں۔''

س ر ح

سَرَحَ (ف) سَرْحًا : سرح کا درخت (ایک قسم کا بغیر کانٹے والا درخت) چرنے کے لیے اُونٹ کو کھلا چھوڑنا' مویشی کو چرنے کے لیے چھوڑنا۔ ﴿حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ﴿۶﴾﴾ (النحل) ''جب تم لوگ واپس لاتے ہو اور جب چرنے کے لیے چھوڑتے ہو۔''

سَرَاحٌ (اسم فعل) : چھوڑنا' آزاد کرنا۔ ﴿وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾﴾ (الاحزاب) ''اور میں آزاد کروں تم سب کو' خوبصورت آزاد کرنا۔''

سَرَّحَ (تفعیل) تَسْرِيْحًا : بالکل چھوڑنا' آزاد کرنا' بیوی کو طلاق دینا۔ مذکورہ بالا آیت (الاحزاب:۲۸) دیکھیں۔

سَرِّحْ (فعل امر) : تو بالکل آزاد کر' طلاق دے۔ ﴿اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ص﴾ (البقرة:۲۳۱) ''یا تم لوگ بالکل آزاد کرو اُن کو بھلائی سے۔''

ترکیب : ''اَلطَّلَاقُ'' مبتدأ ہے اور ''مَرَّتَانِ'' خبر ہے۔ ''اِمْسَاكٌ'' اور ''تَسْرِيْحٌ'' مبتدأ نکرہ ہیں' ان کی خبریں محذوف ہیں جو کہ ''جَائِزٌ'' ہو سکتی ہیں' جبکہ ''بِمَعْرُوْفٍ'' اور ''بِاِحْسَانٍ'' قائم مقام خبر ہیں۔ ''مِمَّا'' دراصل ''مِنْ مَا'' ہے۔ ''تَاْخُذُوْا'' اور ''اٰتَيْتُمُوْا''

دونوں کا مفعول ''مَا'' ہے' جبکہ ''مَا'' کی تمیز ہونے کی وجہ سے ''شَیْئًا'' منصوب ہے۔ ''اَنْ'' کی وجہ سے ''یَخَافَا'' کا نون اعرابی گرا ہوا ہے۔ ''اَلَّا'' دراصل ''اَنْ لَا'' ہے۔ اس کے ''اَنْ'' کی وجہ سے ''یُقِیْمَا'' کا نونِ اعرابی گرا ہوا ہے۔ ''لَا تَعْتَدُوْا'' باب افتعال سے فعل نہی ہے اور جمع مذکر مخاطب کا صیغہ ہے' جبکہ ''یَتَعَدَّ'' باب تفعّل سے فعل مضارع میں واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اور یہ ''مَنْ'' شرطیہ کی وجہ سے مجزوم ہوا ہے۔

ترجمہ:

اَلطَّلَاقُ : طلاق
مَرَّتٰنِ : دو مرتبہ ہے
فَاِمْسَاكٌ : پھر روکنا ہے
بِمَعْرُوْفٍ : بھلائی سے
اَوْ : یا
تَسْرِیْحٌ : آزاد کرنا ہے
بِاِحْسَانٍ : خوبصورت انداز سے
وَلَا یَحِلُّ : اور حلال نہیں ہے
لَكُمْ : تمہارے لیے
اَنْ : کہ
تَاْخُذُوْا : تم لوگ لو
مِمَّآ : اس میں سے جو
اٰتَیْتُمُوْهُنَّ : تم لوگوں نے دیا ان کو
شَیْئًا : کوئی چیز
اِلَّآ اَنْ : سوائے اس کے کہ
یَّخَافَآ : وہ دونوں خوف کریں
اَلَّا یُقِیْمَا : کہ وہ قائم نہیں رکھیں گے
حُدُوْدَ اللّٰهِ : اللہ کی حدود کو
فَاِنْ : پس اگر
خِفْتُمْ : تم لوگ خوف کرو
اَلَّا یُقِیْمَا : کہ وہ دونوں قائم نہیں رکھیں گے
حُدُوْدَ اللّٰهِ : اللہ کی حدوں کو
فَلَا جُنَاحَ : تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے
عَلَیْهِمَا : ان دونوں پر
فِیْمَا : اس میں
افْتَدَتْ : وہ خاتون خود کو چھڑائے
بِهٖ : جس سے
تِلْكَ : یہ
حُدُوْدُ اللّٰهِ : اللہ کی حدود ہیں
فَلَا تَعْتَدُوْهَا : پس تم لوگ تجاوز مت کرو ان سے
وَمَنْ : اور جو
یَّتَعَدَّ : جانتے بوجھتے تجاوز کرتا ہے
حُدُوْدَ اللّٰهِ : اللہ کی حدوں سے
فَاُولٰٓئِكَ : تو وہ لوگ
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ : ہی ظلم کرنے والے ہیں

نوٹ (۱) : اسلام سے پہلے کچھ لوگ اپنی بیوی کو طلاق دیتے تھے اور عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیتے تھے۔ اس کے بعد پھر طلاق دیتے رہتے اور رجوع کرتے رہتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ نہ تو اُس عورت کا گھر آباد ہوتا تھا اور نہ ہی وہ کسی اور جگہ نکاح کرنے کے لیے آزاد ہوتی تھی۔

اِس آیت میں شوہر کے اس اختیار کو برقرار رکھا گیا ہے' لیکن اسے محدود کر دیا گیا ہے۔ اپنی عائلی زندگی میں ایک شوہر اپنا یہ اختیار دو مرتبہ استعمال کر سکتا ہے۔ اس کے بعد اگر وہ تیسری مرتبہ طلاق دیتا ہے تو اس کا رجوع کرنے کا اختیار ختم ہو چکا ہے۔ اب عدت پوری ہونے کے بعد طلاق ہی ہوگی۔

نوٹ (۲) : ''ایک عورت آپؐ کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ میں اپنے خاوند سے ناخوش ہوں' اس کے یہاں رہنا نہیں چاہتی۔ آپؐ نے تحقیق کی تو عورت نے کہا کہ وہ میرے حقوق میں کوتاہی نہیں کرتا اور نہ اس کے اخلاق و تدین پر مجھ کو اعتراض ہے' لیکن مجھ کو اس سے منافرتِ طبعی ہے۔ آپؐ نے عورت سے مہر واپس کرایا اور شوہر سے طلاق دلوا دی۔ اس پر یہ آیت اُتری''۔ (ترجمۂ شیخ الہندؒ)

مذکورہ شانِ نزول کا تعلق آیت کے اگلے حصے سے ہے۔ شوہر کے طلاق دینے کے اختیار کو محدود کرتے ہوئے بتایا گیا کہ اگر اس کے نتیجے میں طلاق ہو تو شوہر کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی دی ہوئی چیزوں میں سے کچھ بھی واپس لے' اِلّا یہ کہ اگر دونوں کو خوف ہو کہ وہ ایک دوسرے سے بھلا سلوک نہ کر سکیں گے۔ اس کا ایک مطلب یہ نکالنے کی گنجائش تھی کہ اگر شوہر اس خوف کا اظہار کرے اور کہے کہ اس لیے میں فلاں فلاں چیزیں واپس لے کر طلاق دیتا ہوں۔ اس گنجائش کو ختم کرنے کے لیے آگے وضاحت کر دی گئی کہ مذکورہ استثنائی صورت کا تعلق بیوی کے خلع مانگنے سے ہے کہ اگر اس خوف کی بنیاد پر وہ کوئی چیز واپس کر کے خود کو آزاد کرانا چاہے تو ایسی صورت میں واپس لینے پر شوہر پر اور واپس کرنے پر بیوی پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

نوٹ (۳): طلاق اور خلع میں ایک فرق ہے۔ شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے' لیکن بیوی اپنے شوہر کو خلع نہیں دے سکتی بلکہ مانگ سکتی ہے۔ خلع کے متعلق فیصلہ کرنے کا اختیار شوہر کو نہیں دیا گیا' بلکہ فَاِنْ خِفْتُمْ کی شرط لگا کر بتا دیا گیا کہ خلع کے متعلق فیصلہ خاندان' برادری یا معاشرے کا کوئی اجتماعی ادارہ کرے گا' مثلاً پنچایت' قاضی یا عدالت وغیرہ۔

آیت ۲۳۰

﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝﴾

ترکیب : ''طَلَّقَ'' کا فاعل اس میں ''هُوَ'' کی ضمیر ہے جو شوہر کے لیے ہے اور ضمیر مفعولی ''هَا'' بیوی کے لیے ہے۔ ''تَحِلُّ'' کا فاعل اس میں ''هِيَ'' کی ضمیر ہے جو طلاق شدہ بیوی کے لیے ہے اور ''لَهٗ'' میں ''هٗ'' کی ضمیر شوہر کے لیے ہے۔ ''تَنْكِحَ'' کا فاعل اس میں ''هِيَ'' کی ضمیر ہے جو طلاق شدہ بیوی کے لیے ہے اور ''زَوْجًا'' اس کا مفعول ہے۔ ''زَوْجًا'' کا بدل ہونے کی وجہ سے ''غَيْرَ'' منصوب ہے اور ''هٗ'' کی ضمیر طلاق دینے والے شوہر کے لیے ہے۔ اس کے بعد ''طَلَّقَ'' کا فاعل اس میں ''هُوَ'' کی ضمیر ہے جو ''زَوْجًا'' کے لیے ہے۔ ''عَلَيْهِمَا'' میں ''هُمَا'' کی ضمیر بیوی اور اس کے پہلے شوہر کے لیے ہے۔ ''يُبَيِّنُ'' کا فاعل اس میں ''هُوَ'' کی ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے اور اس کی ضمیر مفعولی ''هَا'' ''حُدُوْد'' کے لیے ہے۔ ''لِقَوْمٍ'' نکرہ موصوف ہے۔

ترجمہ:

فَاِنْ : پس اگر	طَلَّقَهَا : وہ طلاق دیتا ہے اس کو
فَلَا تَحِلُّ : تو وہ حلال نہیں ہوگی	لَهٗ : اس کے لیے
مِنْۢ بَعْدُ : اس کے بعد	حَتّٰى : یہاں تک کہ
تَنْكِحَ : وہ عورت نکاح کرے	زَوْجًا : کسی (ہونے والے) شوہر سے
غَيْرَهٗ : اس کے علاوہ	فَاِنْ : پھر اگر
طَلَّقَهَا : وہ طلاق دے اس کو	فَلَا جُنَاحَ : تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے
عَلَيْهِمَا : ان دونوں پر	اَنْ : کہ
يَّتَرَاجَعَا : وہ دونوں باہم رجوع کریں	اِنْ : اگر
ظَنَّا : ان دونوں کو خیال ہو	اَنْ يُّقِيْمَا : کہ وہ قائم رکھیں گے
حُدُوْدَ اللّٰهِ : اللہ کی حدوں کو	وَتِلْكَ : اور یہ

حُدُوْدُ اللّٰهِ : اللہ کی حدود ہیں	يُبَيِّنُهَا : وہ واضح کرتا ہے ان کو
لِقَوْمٍ : ایسے لوگوں کے لیے	يَّعْلَمُوْنَ : جو علم رکھتے ہیں

نوٹ (۱): سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۲۱ میں مشرکوں سے نکاح کی ممانعت آئی تھی۔ وہاں مَردوں کو منع کرنے کے لیے لفظ ''نَکَحَ'' ثلاثی مجرد سے آیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ مشرکات سے نکاح مت کرو۔ لیکن خواتین کی ممانعت کے لیے وہ لفظ بابِ افعال سے آیا' جس کا مطلب یہ تھا کہ مشرکوں کے نکاح میں مت دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ خواتین کے نکاح کے لیے ان کے ولی کی اجازت ضروری ہے۔ اس کی مزید وضاحت ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی عورت نے نکاح کیا' اپنے ولی کی اجازت کے بغیر' تو اس کا نکاح باطل ہے' تو اس کا نکاح باطل ہے' تو اس کا نکاح باطل ہے''۔ (ابوداؤد شریف' کتاب النکاح)

آیت زیر مطالعہ میں طلاق شدہ خواتین کے نکاح کی بات ہو رہی ہے۔ یہاں پر لفظ ''نَکَحَ'' ثلاثی مجرد سے آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عورت نکاح کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر شادی شدہ خواتین کے نکاح کے لیے ان کے ولی کی اجازت ضروری ہے' لیکن مطلقہ خواتین کے لیے یہ ضروری نہیں ہے۔ بیوہ خواتین کا بھی یہی حکم ہے۔

آیت ۲۳۱

﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾﴾

ترکیب : ''اِذَا'' شرطیہ ہے۔ ''طَلَّقْتُمُ'' سے ''اَجَلَهُنَّ'' تک شرط ہے اور ''فَاَمْسِكُوْا'' سے ''لِّتَعْتَدُوْا'' تک جوابِ شرط ہے۔ اسی طرح ''مَنْ'' بھی شرطیہ ہے اور آگے اس کی شرط اور جوابِ شرط ہے۔ ''لَا تَتَّخِذُوْا'' کا مفعولِ اوّل ''اٰيٰتِ اللّٰهِ'' ہے اور ''هُزُوًا'' مفعولِ ثانی ہے۔ ''اَنْزَلَ'' اور ''يَعِظُكُمْ'' کے فاعل ان میں ''هُوَ'' کی ضمیریں ہیں جو اللہ کے لیے ہیں۔ ''نِعْمَتَ اللّٰهِ'' کے بعد ''مَا اَنْزَلَ'' محذوف ہوگا' مطلب ہوگا کہ اس

نعمت کو یاد کرو جو اُس نے تم پر اُتاری۔ اور ''وَمَا'' میں ''مَا'' سے پہلے ''وَاذْکُرُوْا'' محذوف ہے۔ مفہوم یہ ہوگا کہ یاد کرو اس کو جو اُس نے اُتارا تم پر۔

ترجمہ:

وَاِذَا : اور جب بھی
النِّسَآءَ : عورتوں کو
اَجَلَهُنَّ : اپنی مدت (کے قرب) کو
بِمَعْرُوْفٍ : بھلائی سے
سَرِّحُوْهُنَّ : آزاد کردو ان کو
وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ : اور تم لوگ مت روکو ان کو
لِّتَعْتَدُوْا : تاکہ تم زیادتی کرو
يَفْعَلْ ذٰلِكَ : یہ کرتا ہے
نَفْسَهٗ : اپنے آپ پر
اٰيٰتِ اللّٰهِ : اللہ کی آیات کو
وَاذْكُرُوْا : اور یاد کرو
عَلَيْكُمْ : (جو اُس نے اتاری) تم لوگوں پر
اَنْزَلَ : اس نے اُتارا
مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ : کتاب اور حکمت میں سے
بِهٖ : جس سے
اللّٰهَ : اللہ کا
اَنَّ اللّٰهَ : کہ اللہ
عَلِيْمٌ : ہر حال میں جاننے والا ہے

طَلَّقْتُمُ : تم لوگ طلاق دو
فَبَلَغْنَ : پھر وہ پہنچیں
فَاَمْسِكُوْهُنَّ : تو تم لوگ روکو ان کو
اَوْ : یا
بِمَعْرُوْفٍ : بھلائی سے
ضِرَارًا : تکلیف دیتے ہوئے
وَمَنْ : اور جو
فَقَدْ ظَلَمَ : تو اس نے ظلم کیا ہے
وَلَا تَتَّخِذُوْٓا : اور تم لوگ مت بناؤ
هُزُوًا : مذاق (کا ذریعہ)
نِعْمَتَ اللّٰهِ : اللہ کی نعمت کو
وَمَآ : اور (یاد کرو) اس کو جو
عَلَيْكُمْ : تم لوگوں پر
يَعِظُكُمْ : وہ نصیحت کرتا ہے تم لوگوں کو
وَاتَّقُوا : اور تم لوگ تقویٰ اختیار کرو
وَاعْلَمُوْٓا : اور جان لو
بِكُلِّ شَيْءٍ : ہر چیز کو

آیت ۲۳۲

﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

ع ض ل

عَضَلَ (ن) عَضْلاً : روکنا' منع کرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترجمہ:

وَاِذَا : اور جب بھی	طَلَّقْتُمُ : تم لوگ طلاق دو
النِّسَآءَ : عورتوں کو	فَبَلَغْنَ : پھر وہ پہنچیں
اَجَلَهُنَّ : اپنی مدت (کے اختتام) کو	فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ : تو تم لوگ مت روکو ان کو
اَنْ يَّنْكِحْنَ : کہ وہ نکاح کریں	اَزْوَاجَهُنَّ : اپنے (سابقہ یا آئندہ) شوہروں سے
اِذَا تَرَاضَوْا : جب وہ راضی ہوں	بَيْنَهُمْ : آپس میں
بِالْمَعْرُوْفِ : بھلائی سے	ذٰلِكَ : یہ ہے
يُوْعَظُ : نصیحت کی جاتی ہے	بِهٖ : جس کی
مَنْ : اس کو جو	كَانَ مِنْكُمْ : تم میں سے ہو
يُؤْمِنُ : (کہ) ایمان رکھتا ہو	بِاللّٰهِ : اللہ پر
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ : اور آخرت پر	ذٰلِكُمْ : یہ
اَزْكٰى : زیادہ پاک ہے (پھلنے پھولنے کی رکاوٹوں سے)	لَكُمْ : تمہارے لیے
وَاَطْهَرُ : اور زیادہ پاک ہے (نجاستوں سے)	وَاللّٰهُ يَعْلَمُ : اور اللہ جانتا ہے
وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ : اور تم لوگ نہیں جانتے	

نوٹ (۱): آیات ۲۳۱ اور ۲۳۲' دونوں میں الفاظ آئے ہیں: ''فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ''۔ دونوں کا ترجمہ ایک ہی ہے لیکن مفہوم میں فرق ہے۔ یہ فرق آگے جواب شرط سے واضح ہوتا ہے۔ آیت ۲۳۱ میں مفہوم یہ ہے کہ جب وہ اپنی مدت ختم ہونے کے قریب پہنچیں تو تم کو اختیار ہے چاہے رجوع کر لو یا طلاق دے دو۔ آیت ۲۳۲ میں مفہوم یہ ہے کہ جب وہ اپنی مدت پوری کر لیں تو رجوع کرنے کا اختیار ختم ہو گیا اور وہ دوسری جگہ نکاح کرنے کے لیے آزاد ہو گئیں۔ اس لیے اب ان کے نکاح میں ان کے لیے مشکلات پیدا مت کرو۔

نوٹ (۲): آیت ۲۲۹ میں الفاظ آئے ہیں: ''اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ'' (طلاق دو مرتبہ ہے)۔ اس کے بعد آیت ۲۳۰ میں بات کا آغاز ''فَاِنْ'' (پھر اگر) کے الفاظ سے ہوا ہے۔ اس سے اگلی دو آیتوں میں بات کا آغاز ''وَاِذَا'' (اور جب بھی / جب کبھی) کے الفاظ سے ہوا ہے۔ اس فرق سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ آیت ۲۳۰ میں تیسری طلاق کی بات ہوئی ہے اور اس کے متعلق حکم دیا گیا ہے۔ کچھ لوگ ''مَرَّتٰنِ'' کے لفظ کو پکڑ کر کہتے ہیں کہ قرآن میں تیسری طلاق کا تو ذکر ہی نہیں ہے۔ یہ دراصل ان کی subjective thinking کا کرشمہ ہے جسے قرآن مجید ''تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ'' کہتا ہے۔

نوٹ (۳): ان آیات یعنی آیات ۲۲۹ تا ۲۳۲ کے مطالعہ سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کے لیے ایک ضابطہ اور طریقۂ کار کا تعین کیا ہے۔ اسے حدود اللہ قرار دے کر تاکید کی گئی ہے کہ اس سے تجاوز مت کرو اور اللہ کی آیات کو مذاق مت بناؤ۔ اتنے واضح احکام اور ہدایات کے بعد بھی اگر کوئی شخص بیک وقت تین طلاق دیتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا مجرم اور گنہگار ہے۔ اور ساتھ ہی اس کی بیوی اس سے تین طلاقوں کے ساتھ آزاد ہو گئی۔ اب رجوع کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ ''رسول کریم ﷺ کو ایک آدمی کے متعلق خبر دی گئی جس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی تھیں۔ آپؐ غصے کے عالم میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جاتا ہے' حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں؟'' (معارف القرآن)۔ حضرت عمرؓ سے یہاں تک ثابت ہے کہ جو شخص بیک وقت اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا تھا آپؓ اس کو درّے لگاتے تھے۔ (تفہیم القرآن)

مذکورہ ثبوت کے علی الرغم ہم لوگ ایسے شخص کو برا بھلا نہیں کہتے' بلکہ اُلٹا اس کی حمایت کرتے ہیں اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو سزا مقرر کی ہے اس سے اس کو بچانے کے لیے

چور دروازے تلاش کرتے ہیں۔ یہ ایک معمّہ ہے جو میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

نوٹ (٤) : اصول یہ ہے کہ اگر کسی نکاح میں وقت کا ذکر ہو تو وہ نکاح فاسد ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ میں پندرہ دن کے لیے نکاح کرتا ہوں تو اس کا نکاح فاسد ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ میں ایک ہزار سال کے لیے نکاح کرتا ہوں' تو اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ پوری زندگی کے لیے نکاح کر رہا ہے' لیکن چونکہ اس میں بھی وقت کا ذکر ہے اس لیے یہ نکاح بھی فاسد ہے۔

اسی اصول کے تحت اگر کسی کے لیے اس کی مطلقہ بیوی کو حلال کرانے کے لیے اس کا دوسرا نکاح کرایا جائے جس میں یہ طے ہو کہ وہ اسے طلاق دے گا' تو یہ نکاح' نکاح نہیں بلکہ محض ایک بدکاری ہو گی اور اس طرح وہ عورت اپنے سابق شوہر کے لیے حلال نہیں ہو گی۔ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی متفقہ روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اس طریقہ سے حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (تفہیم القرآن)

ہم میں سے اکثر لوگ مذکورہ اصول کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور متعلقہ احادیث کو بھی مانتے ہیں' اس کے باوجود ہم ایسے حلالے کا فتویٰ بھی دیتے ہیں اور اعانت بھی کرتے ہیں جس کے کرنے اور کرانے والے پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔ یہ دوسرا معمہ ہے جو میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

آیت ۲۳۰ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے اپنی حدود کو ان لوگوں کے لیے واضح کیا ہے جو علم رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود کہا جاتا ہے کہ یہ ساری خرابی عوام الناس کی جہالت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ تیسرا معمہ ہے۔ oo

☆

آگ ہے' اولادِ ابراہیمؑ ہے' نمرود ہے!
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے؟

☆

عظمتِ قرآن
ایک اور پہلو

پروفیسر حافظ احمد یارؒ

استاذ مکرم حافظ احمد یار مرحوم و مغفور نے یہ مقالہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی تیسری سالانہ قرآن کانفرنس منعقدہ مارچ ۱۹۷۶ء میں پیش کیا تھا۔

الحمد للّٰہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ
اما بعد : فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

﴿قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَاۤ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ (القصص)

محترم صاحبِ صدر و معزز خواتین و حضرات!

آج کرۂ ارض پر بسنے والے انسانوں کی غالب اکثریت اُصولاً اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ اس کارخانۂ حیات کا ایک بنانے والا ہے جو خود ہی اس کا چلانے والا ہے (کسی کو ٹھیکہ پر نہیں دے رکھا) ——— اور یہ کہ اس خالق و مالک نے کائنات کی کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ شے بھی بے کار اور بے مقصد نہیں بنائی۔ انسان نے کائنات کی بے شمار چیزوں کے مقصدِ تخلیق پر توجہ دے کر اپنے علوم کو تو کہیں سے کہیں پہنچا دیا' لیکن عجیب بات ہے کہ خود اپنے مقصدِ تخلیق کے بارے میں وہ تغافل اور تجاہل پر ہی گزارہ کرتا رہا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کے زندہ رہنے

کے لیے اس کائنات کی ضرورت ہے' لیکن خود کائنات کی زندگی کے لیے انسان کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لیے عقل انسانی کو اس بات پر آمادہ کرنا بڑا مشکل کام ہے کہ وہ یہ مان لے کہ انسان کی زندگی اور اس کی حیرت انگیز صلاحیتیں بالکل بے مقصد ہیں ——— وہ زندگی اور وہ صلاحیتیں جن کی بقا اور نشوونما پوری کائنات کا مقصدِ تخلیق معلوم ہوتا ہے۔

عقل و دانش اور ارادہ و اختیار سے بہرہ ور ہونے کی بنا پر' اور شعوری یا غیر شعوری طور پر مختلف عوامل کے زیر اثر' ہر انسان اپنی زندگی کا ایک مقصد متعین کر لیتا ہے۔ مقصد کا یہی تعین اس کے جملہ اعمال کی صورت گری کا باعث بنتا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی سطح پر متضاد مقاصد کے باہمی تصادم اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی انسانی ناکامیوں' مایوسیوں' تباہیوں اور خون ریزیوں کے مسلسل تاریخی عمل نے ثابت کر دیا ہے کہ انسانیت کی فلاح و بہبود بلکہ بقا کے لیے ضروری ہے کہ مشترک انسانی اقدار کی بنا پر پوری انسانی زندگی کا کوئی عالمگیر مقصد اور نصب العین متعین ہونا چاہیے۔ اختلاف ''کیوں'' میں نہیں' صرف ''کیا؟'' میں ہے۔

مجمع بازوں کے بے پناہ شور وغل اور خریداروں کی تمیز سود وزیاں کو شل کر دینے کی ساری فسوں سازیوں کے باوجود بازارِ حیات میں انسانوں کی اکثریت ابھی اس حقیقت سے آگاہ ہے' بلکہ شاید آگاہ تر ہو رہی ہے' کہ سعدیؒ کے الفاظ میں ''خوردن'' اور عوامی زبان میں ''روٹی' کپڑا اور مکان' انسان کی حیوانی زندگی کی بقا کے لیے ایک بنیادی ضرورت تو ہے' مگر اسے اور صرف اسے ہی انسانی زندگی کی منزلِ مقصود یا اس کا بدل اور انسان کی ساری صلاحیتوں کا ماحصل ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

حیوانات اپنی زندگی کی بقا اور اس میں توازن کے لیے (جس میں افزائشِ نسل بھی شامل ہے) بیرونی دنیا میں بعض طبعی قوانین اور اندرونی طور پر بعض حواس اور جبلّتوں کے تابع سرگرمِ عمل رہتے ہیں۔ یہ حواس اور جبلتیں حیوانات کی زندگی کا مقصد ''خوردن'' تک محدود بھی کر دیتی ہیں اور اس مقصد کے حصول کا واحد ذریعہ بھی بنتی ہیں۔

انسان کا معاملہ ذرا مختلف ہے' اسے حواس اور جبلتوں کے علاوہ عقل بھی دی گئی ہے۔ عقل ایک ایسی صلاحیت ہے جس کے ذریعے انسان بڑی حد تک اپنی حیوانی جبلتوں پر قابو پا لیتا ہے اور اپنی ادنیٰ فطرت کو اُبھرنے یا بے لگام ہونے سے روک بھی سکتا ہے۔ دوسری طرف یہی ''عقل'' انسان کی حسی ضروریات اور اس کی جبلّی خواہشات کی تسکین کے لیے ذرائع و اسباب

کی تلاش کو' کبھی مکر و تدبیر کے ذریعے اور کبھی قوائے فطرت کی تسخیر کے ذریعے' سہل اور آسان کر دیتی ہے۔ یوں ''عقل'' انسان کے لیے حیوانات کے مقابلے میں مسئلۂ ''خوردن'' کا بہتر اور تیز تر حل مہیا کرتی ہے' تاکہ وہ مقصدِ زیستن کی طرف متوجہ ہو سکے ——— مگر غالباً اس وجہ سے کہ عقل کا دائرۂ کار بہر حال حسّی اور جبلّی زندگی تک محدود ہے' عقلِ انسانی اکثر حواس اور جبلتوں پر حکمرانی کرنے کے بجائے ان کے غلام کی حیثیت سے کام کرنے لگتی ہے۔ عقل کی حیثیت ایک سواری کی سی ہے جس کو کسی بھی منزل تک بآسانی پہنچنے کے لیے کام میں لایا جا سکتا ہے۔ رہا خود منزل و نصب العین کا تعین' تو یہ تنہا عقل کے بس کی چیز نہیں ہے' اس کے لیے خود اُسے کسی اور سرچشمۂ علم کی ضرورت ہے۔

جس ذاتِ برتر نے انسان کے اندر مختلف صلاحیتیں ودیعت کیں' جس نے انسان کے حواس اور جبلتوں کی اصلاح اور امداد کے لیے عقل عطا کی اس نے عقل کی امداد اور اصلاح کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کے پاک نفوس کے ذریعے خارجی ہدایتِ وحی سے بھی نوازا۔ یہ خارجی ہدایت انسانی عقل و بصیرت کے لیے وہی درجہ رکھتی ہے جو بصارت کے لیے خارجی روشنی۔

اس ہدایت یعنی انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے مسلح ہونے کے بعد انسان جبلتوں' حواس اور عقل کے حلقہ در حلقہ جال سے باہر نکل آنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ ان آسمانی صداقتوں کی روشنی میں انسان اپنی تقدیر کا تصور اور اپنی منزل کا تعین کر سکتا ہے ——— وحیٔ الٰہی یا پیغمبرانہ شعور انسان کو اُن حدود سے آگاہ کرتا ہے جن کے اندر رہنا انسان کی سلامتی و بقا اور اس کی ذات میں مضمر صلاحیتوں کی صحیح نشوونما کے لیے بے حد ضروری ہے۔ اس ہدایت کے قبول کر لینے ہی کو اسلامی اصطلاح میں ایمان بالرُسل اور ایمان بالکتب کہا جاتا ہے۔ رسول اور کتاب دونوں اسی ایک خدا کی طرف سے ایک ہی حکمتِ ربانی کے دو اجزاء اور ایک ہی مقصدِ دعوت کی تکمیل کے دو ذرائع ہوتے ہیں۔

انسانوں کی رشد و ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں اور مختلف قوموں میں انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے۔ ہر نبی کی تعلیمات اُس ربانی علم و حکمت کا ایک جزو ہوتی تھیں جو اس کے سینے میں ہوتا تھا۔ اس تعلیم کا لفظی بیان بعض دفعہ کتاب یا صحیفہ کی صورت میں لوگوں کی رہنمائی کے لیے دیا جاتا تھا' جبکہ اس تعلیم کا عملی نمونہ اور مظہر خود رسول کی زندگی ہوتی تھی۔

قرآن کریم نسلِ انسانی کی رہنمائی کے لیے ربانی پیغامات اور وحیٔ الٰہی کے' بذریعہ

کتاب و رسول' نزول کے ایک طویل عمل کا مُصَدِّق بھی ہے اور مُکَمِّل (تکمیل کرنے والا) بھی۔ ابتداءً مختلف خطوں اور مختلف حالات میں بٹی ہوئی مختلف قوموں کو تاریخ کے خاص خاص اَدوار میں خاص خاص ربانی پیغام پہنچانے ہی ضروری تھے۔ انسان کی ہمہ گیر ترقی کی رفتار اس قسم کی قسط وار تعلیم اور اس پر عمل کے وقفوں کے ذریعے ہی آگے بڑھائی جاسکتی تھی۔ اسلام کے ساتھ اس سلسلہ کا حکامِ ربانی یعنی دین کی تکمیل ہوگئی۔ پیغمبر اسلام ﷺ اللہ کے آخری پیغمبر اور قرآن کریم انسانوں کے لیے اللہ کا آخری اور مکمل پیغام ہے' اور دونوں تمام مخلوق کے لیے عموماً اور انسانوں کے لیے خصوصاً اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مظہر اتم ہیں۔ الفاظِ قرآنی: ﴿اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝﴾ (الرحمٰن) اور: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ (الانبیاء) کے ذریعے اسی حقیقت کی نشاندہی کی گئی ہے۔ نوعِ انسانی کی طرف آخری نبی (ﷺ) اور آخری کتاب آجانے کے بعد الہامی پیغاموں کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ اب اس آخری اور جامع و مکمل الہامی پیغام پر عمل کر کے ——— یا اس کو رد کر کے ——— اِس کے نتائج دیکھنے کا زمانہ شروع ہوگیا۔

نزولِ قرآن کا دَور انسانی تاریخ میں انسانی فرد کے زمانہ بُلوغ سے مشابہت رکھتا ہے۔ قرآن کریم بالغ ''انسانوں'' نہیں بلکہ بالغ ''انسانیت'' یعنی عصرِ حاضر کو درپیش مسائل کے حل میں عقل انسانی کی رہنمائی کرتا ہے' اور اس مقصد کے لیے اپنے آپ کو ہدایت' علم' بصائر' شفاء' نور اور بیّنات وغیرہ کے اوصاف سے روشناس کراتا ہے۔ یعنی قرآن ہدایت دیتا ہے علم اور حکمت کے ساتھ' بصیرت دیتا ہے دلیل و برہان کے ساتھ' امراضِ قلبی کے لیے شفا ہے بذریعہ موعظہ۔ وہ نور ہے جو جہالت و نادانی کی تاریکیوں سے نکالتا ہے' وہ ذکر للعالمین ہے جو ہر قسم کی فطرت کو اس کے کمالات یاد دلاتا ہے۔ وہ مؤمن و کافر' غنی و فقیر' متکبر و متواضع ہر ایک قسم کے انسان کی دل کی بات کی خبر دیتا ہے۔ ہر ایک فردِ بشر اس کے کسی ایک عنوان کے تحت اپنا ذکر موجود پاتا ہے۔ وہ ماضی' حال اور مستقبل کے تمام انسانی مسائل کا حل پیش کرنے میں قولِ فیصل ہے۔

آج کے انسان کو ایسے پریشان کن مسائل نے گھیر رکھا ہے کہ اگر کہیں سے یہ آواز آتی ہے کہ فلاں نظام' فلسفہ' دین' پارٹی یا شخص ہی اس کے تمام مسائل یا کم از کم اہم مسائل حل کر سکتا ہے تو یہ گھبرایا ہوا انسان فوراً اُدھر متوجہ ہوتا ہے۔ ''تمام مسائل کا حل پیش کرتا ہے'' ——— ہمارے زمانے کا سب سے بڑا جملۂ مدحیہ بن گیا ہے۔

کیا عظمتِ قرآن کے متعلق ہمارے اس قسم کے تعریفی بیانات اور مدحیہ کلمات محض جذباتی قصیدہ خوانی تو نہیں ہے؟ قرآن کریم کے متعلق اس قسم کے بلند بانگ دعووں پر ہم کوئی دلیل بھی پیش کر سکتے ہیں یا نہیں؟ انسانی زندگی میں جذبات کی قدر و قیمت اور افادیت و ضرورت عقلی دلیل و برہان سے کسی طرح کم قرار نہیں دی جا سکتی۔ کتنی دفعہ ''خردمندی'' کی انتہا ''صاحبِ جنون'' ہونے کی دعا پر منتج ہوتی ہے[1]۔ عوام اور عوامیت کے اس دَور میں تو یوں بھی دلائل و براہین جذبات کے آستانۂ عالیہ پر صفِ نعلین میں سرنگوں نظر آتے ہیں۔ تاہم غنیمت ہے کہ ہم ایک ایسے دَور میں رہ رہے ہیں جہاں کم از کم کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو بلند بانگ دعووں، مسحور کن وعدوں اور دلکش نعروں کی صداقت کے بارے میں حقیقت کے جویا اور اپنی اس جستجو میں دلائل کے طلب گار نظر آتے ہیں۔

حضرات! بڑے دعووں، وعدوں اور نعروں کے ذکر سے آپ کا ذہن ''گمراہ'' نہ ہونے پائے۔ بڑے دعوے اور بڑے وعدے ہمیشہ ہی فریبِ باطل یا سرابِ نظر نہیں ہوتے، کبھی کبھی وہ سراسر حق و صداقت پر مبنی بھی ہوتے ہیں۔ اور انسان میں اس نازک فرق کا ——— یعنی وعدۂ رحمٰن اور وعدۂ شیطان میں ——— امتیاز کرنے کی صلاحیت ودیعت کر دی گئی ہے۔ کسی بھی پیغمبر کا دعوائے نبوت و رسالت غالباً انسان کے سامنے پیش کیے گئے دعووں میں سے سب سے بڑا اور بظاہر سب سے عجیب دعویٰ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس دعویٰ کے صدق یا کذب کو پرکھنا ضروری بھی ہے اور مشکل بھی ——— اسی لیے انبیاء کرام علیہم السلام کی صداقت کو اظہر من الشمس کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں مختلف قسم کے دلائل اور نشانات عطا فرمائے، جن سے ان کے مخاطب کے اندر ودیعت شدہ تمام ذرائع ہدایت یعنی جبلّت، حواس اور عقل میں سے کسی ایک کو بھی تصدیق کے بغیر چارہ نہ رہا، بلکہ جوں جوں آخری نبوت قریب آتی گئی، انسان کے سب سے بڑے ذریعۂ ہدایت یعنی وحیٔ الٰہی کے ذریعے انبیاءِ کرام علیہم السلام نے خود بھی اپنے ماننے والوں کو آنے والی نبوت کو قبول کرنے کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی پرکھ اور پہچان کے لیے ہر وہ ممکن اور معلوم انسانی ذریعۂ علم و ہدایت اندرونی یا بیرونی، حسی یا وجدانی، عقلی یا نقلی ——— جمع کر دیا گیا، جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا

(۱) علامہ اقبال کا شعر ہے۔

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں ۔۔۔ مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر!

قائل کرنے کے لیے دنیا کے کسی ایک بھی انسان کو درکار تھا۔[1] آقائے دو جہاں کے دعووں کی صداقت ——— تمام دعووں کی صداقت کو قبول کرنا یا نہ کرنا ہی اسلام اور کفر کے درمیان حد فاصل ہے۔ آنحضرت ﷺ کی صداقت پر دنیا کی ہر قوم' مذہب' بلکہ ہر فرد کے سامنے (صرف مخصوص' معزز اور مدعو حاضرین کے سامنے نہیں)[2] ان کے مناسب حال دلائل پیش کرنا مسلمانوں کے لیے فرضِ کفایہ ہے۔

علم و عقل کی فراوانی کے اس دور میں آنحضرت ﷺ کی صداقت پر علمی و عقلی دلائل پیش کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ آنحضور ﷺ کی صداقت پر ایک بہت بڑی زندہ علمی اور عقلی دلیل ''عظمت و اعجازِ قرآن'' ہے۔ عظمت و اعجازِ قرآن کا بیان بھی ایک واجب شرعی اور فرضِ کفایہ ہے۔ اس لیے کہ ''عظمت و اعجازِ قرآن'' کے مختلف پہلوؤں کا بیان اور اس کی دلائل سے وضاحت دراصل اثباتِ رسالتِ محمد ﷺ ہی ہے۔[3]

قرآن کریم نے خود اپنی عظمت و اعجاز کو آنحضور ﷺ کی صداقت کی دلیل کے طور پر اس تحدی کی صورت میں پیش کیا ہے:

(۱) ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝﴾ (البقرۃ)

''اور اگر تمہیں اس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے' یہ

---

(۱) آنحضرت ﷺ کے پاس ایک آدمی نے آکر کشتی لڑنے پر پچھاڑے جانے کو شرطِ صداقت قرار دے کر چیلنج کیا۔ حضور ﷺ نے اسے ایک دفعہ نہیں بلکہ تین دفعہ پچھاڑ دیا۔ وہ مسلمان ہو گیا۔ اسی طرح ایک اور آدمی نے آپ ﷺ سے کہا: ''مجھے کسی اور ثبوت کی ضرورت نہیں' تم خدا کی قسم کھا کر کہہ دو کہ تم واقعی اللہ کے رسول ہو''۔ حضور ﷺ نے قسم کھا کر کہا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ وہ آدمی فوراً ایمان لے آیا۔

(۲) انہی دنوں عالمی سیرت کانگریس کا خاص شو ختم ہوا تھا۔

(۳) قرآن کانفرنس کی جس نشست میں یہ مضمون پڑھا گیا اس کا موضوعِ بحث ''عظمت و اعجازِ قرآن'' تھا۔

ہماری ہے یا نہیں' تو اس کے مانند ایک ہی سورۃ بنا لاؤ' اپنے سارے ہمنواؤں کو بلا لو' ایک اللہ کو چھوڑ کر باقی جس جس کی چاہو مدد لے لو' اگر تم سچے ہو تو یہ کام کر کے دکھاؤ۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو' اور یقیناً کبھی نہیں کر سکتے' تو ڈرو اُس آگ سے جس کا ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر' جو مہیا کی گئی ہے منکرینِ حق کے لیے''۔

(۲) ﴿وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ (یونس)

''اور یہ قرآن وہ چیز نہیں ہے جو اللہ کی وحی و تعلیم کے بغیر تصنیف کر لیا جائے بلکہ یہ تو جو کچھ پہلے آ چکا تھا اس کی تصدیق اور الکتاب کی تفصیل ہے' اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ فرمانروائے کائنات کی طرف سے ہے۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے اسے خود تصنیف کر لیا ہے؟ کہو: اگر تم اپنے اس الزام میں سچے ہو تو ایک سورۃ اس جیسی تصنیف کر لاؤ اور ایک خدا کو چھوڑ کر جس جس کو بلا سکتے ہو مدد کے لیے بلا لو۔ اصل یہ ہے کہ جو چیز ان کے علم کی گرفت میں نہیں آئی اور جس کا مآل بھی ان کے سامنے نہیں آیا' اس کو انہوں نے (خواہ مخواہ اٹکل پچو) جھٹلا دیا۔ اسی طرح تو ان سے پہلے کے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں' پھر دیکھ لو ان ظالموں کا کیا انجام ہوا!''

(۳) ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝﴾ (ھود)

''کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے یہ کتاب خود گھڑ لی ہے؟ کہو: اچھا یہ بات ہے تو اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں تم بنا لاؤ اور اللہ کے سوا اور جو جو (تمہارے معبود) ہیں ان کو مدد کے لیے بلا سکتے ہو تو بلا لو اگر تم (انہیں معبود سمجھنے میں) سچے ہو۔''

(٤) ﴿قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝﴾ (الاسراء)

''کہہ دو کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش

کریں تو نہ لاسکیں گے' چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔''

(۵) ﴿قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ۭ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ (القصص)

''(اے نبیؐ!) ان سے کہو: اچھا تو لاؤ اللہ کی طرف سے کوئی کتاب جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت بخشنے والی ہو' اگر تم سچے ہوئے تو میں اُسی کی پیروی اختیار کروں گا۔ اب اگر وہ تمہارا یہ مطالبہ پورا نہیں کرتے تو سمجھ لو کہ دراصل یہ اپنی خواہشات کے پیرو ہیں' اور اُس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو خدائی ہدایت کے بغیر بس اپنی خواہشات کی پیروی کرے؟ اللہ ایسے ظالموں کو ہرگز ہدایت نہیں بخشتا۔''

(۶) ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۭ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝﴾ (الطور)

''کیا یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان نہیں لانا چاہتے۔ اگر یہ اپنے اس قول میں سچے ہیں تو اسی شان کا ایک کلام بنا لائیں۔''

ان چھ آیات میں سے پانچ میں لفظ ''مثل'' استعمال ہوا ہے۔ ماحصل سب آیات کا یہ ہے کہ قرآن کریم بے مثل و بے نظیر کتاب ہے اور انسان اس کا جزوی مثل و نظیر پیش کرنے سے بھی ہمیشہ عاجز رہیں گے۔ قرآن کریم کا یہ چیلنج چودہ سو سال سے قائم ہے' دنیا اسے قبول نہیں کر سکی ——— لیکن جس طرح مسیلمہ کذاب نے قرآن کے اُسلوب کو نقل کرنے کی کوشش کر کے اپنے پیروکاروں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی تھی' اسی طرح آج مسلمان ——— بے خبر مسلمان ——— کی نظر سے عظمت قرآن کو اوجھل رکھنے کے لیے بعض ''ازم'' قرآنی نظام کے مماثل' بلکہ اس سے بہتر نظام کی حیثیت سے متعارف ہو کر اُبھر رہے ہیں۔ خود قرآن کریم کے ماننے والے ——— کم از کم ماننے والوں کے گھر پیدا ہونے والے ——— بعض سیاست گر اور دانشور بھی اس عروس العرائس [1] کے سرخ گھونگھٹ پر ہی مرے جا رہے ہیں۔ اس نظام کو

(۱) الف لیلہ کا پیشرو ایک عربی قصہ جسے حال ہی میں صلاح الدین المنجد نے کسی قلمی نسخے سے مرتب کر کے شائع کیا ہے' اس میں ''عروس العرائس'' نامی ایک مسحور کن حسین و جمیل عورت کی داستان ہے جو اپنے حسن کی طرح اخلاقی بے راہ روی اور تباہ کن نحوست میں بھی بے مثل ہے۔ جو بھی اسے دیکھتا ہے فدا ہو جاتا ہے' مگر وہ جہاں بھی قدم رکھتی ہے بربادی لاتی ہے۔

قرآنی نظام کا مثل یا اس سے بہتر قرار دینے میں اسی کوتاہ فہمی یا دانستہ مغالطہ سے کام لیا جا رہا ہے' جس کی بنا پر ابراہیم علیہ السلام کے حاکم وقت نے موت وحیات پر قادر ہونے میں اپنے آپ کو ربِّ ابراہیم کی ''مانند'' سمجھ لیا تھا۔ یا جس طرح بعض کفارِ مکہ نے اپنی ساکھ رکھنے کے لیے ﴿لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ﴾ (الانفال:۳۱) کی صورت میں ایک کھوکھلا سیاسی بیان ہی جاری کر ڈالا تھا!!

قرآن کریم پوری انسانی زندگی' اس کی ساری استعدادِ فکر وعمل کو ایک نظام کے تحت کر دیتا ہے۔ اب اگر کوئی دوسرا مذہب یا نظام بھی اسی قسم کے انداز میں انسانی فکر وعمل کے ہر دائرے میں اپنے نفوذ کے کچھ آداب وقوانین رکھتا ہے یا بناڈالتا ہے' تو اسے قرآن کریم کے مماثل نہیں بلکہ اس کے متوازی ایک الگ عمل ہی کہا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم کے متوازی مدعیانِ ہدایت ایک نہیں دس ہو سکتے ہیں' سوال تو ﴿هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ﴾ (الرعد:۱۶) کا ہے۔ ہر مسلمان کو عصر حاضر کے اس شیطانی مغالطہ سے آگاہ ہونا ضروری ہے' جس کی رو سے اسلام کو دیگر ادیان یا فلسفہ ہائے حیات کی ''مانند'' ایک دین یا فلسفۂ حیات' قرآن کریم کو دوسری مذہبی کتابوں یا دساتیر عالم کی ''مانند'' ایک مذہبی کتاب یا دستور' اور محمد (ﷺ) کو دوسرے بانیانِ مذاہب یا مشاہیر کی ''مانند'' ایک بانیٔ مذہب یا عظیم انسان (hero) تسلیم کرنے پر اکتفا کر لینے کی تلقین کی جاتی ہے۔ قرآنی عظمت کو بظاہر اُجاگر کرنے اور بباطن مٹانے کی ایک صورت یہ بھی اختیار کی جا رہی ہے کہ قرآن کے دعویٰ ''بے مثلیت'' میں اسے مدعی کی بجائے مدعا علیہ قرار دیا جا رہا ہے۔ قرآن نے کہا تھا کہ اس ''جیسا'' اور اس کی ''مانند'' کوئی نہیں' اب دانا دشمن اور نادان دوست استغاثہ کے منحرف گواہ بن کر یہ ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ قرآن عصرِ حاضر کے طاغوتی نظاموں کے عین ''مانند'' ہے اور وہ ان کے شانہ بشانہ چل سکتا ہے۔

ان حالات میں لازمی ہے کہ قرآن کریم کے فائق وبرتر اور بے مثل وبے نظیر ہونے کو واضح کیا جائے۔ علمائے اسلام نے' جن میں سے بعض نے اعجاز القرآن کے موضوع پر مستقل تصانیف یادگار چھوڑی ہیں' جہاتِ مماثلت اور وجوہِ اعجاز سے بحث کرتے ہوئے لفظی ومعنوی ہر دو جہات پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ان مباحث کو پڑھتے ہوئے بوصیریؒ کے مشہور نعتیہ قصیدہ (بُردہ) کا ایک مصرع ''فجوهرُ الحسنِ فيه غير منقسمٍ'' قرآن کریم پر صادق آتا دکھائی دیتا ہے۔ چند محدود صفات مل کر مجموعی طور پر اس کتاب کو بے مثل اور بے نظیر نہیں بناتیں' بلکہ خدا

کی یہ کتاب اپنی ہر صفت اور ہر خوبی میں بے مثل اور بے نظیر کتاب ہے۔ جس طرح اس کا نازل کرنے والا لامحدود قدرتوں کا مالک ہے' اسی طرح قرآن کریم کی صفات اور اس کے عجائبات بھی محدود نہیں۔ اشخاص و ادوار کے اختلاف کے لحاظ سے کسی کو ایک خوبی نمایاں نظر آئی تو کبھی دوسری اس سے بہتر معلوم ہوئی۔ مثلاً ابتدا میں قرآن کی عظمت و اعجاز کو اس کی فصاحت و بلاغت میں منحصر سمجھا جاتا رہا۔ یہ بات اپنی جگہ درست تھی اور ہے —— مگر اعجازِ قرآن کا یہ پہلو کم از کم اب اکثریت کے ادراک اور شعور سے ماورا ہے۔

اگر اس نقطۂ نظر سے غور کریں کہ قرآن نے پوری بشریت کو اپنی مثل لانے پر تحدی کی ہے' تو یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ قرآن تمام انسانی علوم و افکار کو چیلنج کرتا ہے' تنہا فصاحت و بلاغت (شعری و نثری ادب) کو نہیں۔ ہر چند کہ فصاحت و بلاغت قرآن کا لباس ہے لیکن اصل تحدی (چیلنج) مضامین و علوم کے ساتھ ہے۔ قرآن کریم نے خود اپنے اوصاف میں فصیح و بلیغ کلام ہونے سے زیادہ اپنے ھدًی (ہدایت)' حکمت' علم' بصائر' شفاء' روح' موعظہ' برہان' ذکر' نور اور بینات وغیرہ ہونے پر زیادہ زور دیا ہے۔

اگر اس تفصیل کو اجمال کی طرف لائیں تو ساری بات کا لبِ لباب اور محورِ بحث ایک لفظ ''ہدایت'' ہی نکلتا ہے۔ بلکہ آیاتِ تحدی میں سے ایک میں تو واضح طور پر صرف مطلق مثل لانے کی بجائے جہتِ تحدّی کا صاف ذکر کر دیا گیا ہے۔ ﴿فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَا﴾ یعنی قرآن کریم کتابِ ہدایت ہونے کے لحاظ سے بے مثل و بے نظیر ہے۔ ہدایت سے مراد زندگی کے مقصد اور نصب العین کا تعین اور اس نصب العین کو پا لینے کے لیے قطعی اور حتمی لائحہ عمل ہے اور اس کو ہم آج کل کی زبان میں تمام انسانی مسائل کا حل کہتے ہیں۔ اس ہدایت یعنی تمام مسائل کے حل کو پا لینے سے عقل انسانی کی عاجزی اور بے بسی کا اعتراف اب کوئی بے عقلی کی بات نہیں سمجھا جاتا۔ اس لیے کسی بھی ''مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' کا انسانی مسائل کے حل کے لیے کسی درجے میں بھی مثلِ قرآن ہدایت لانے سے عاجز ہونا ناقابل فہم بات نہیں ہے۔ البتہ آیت کے الفاظ ﴿فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَا﴾ سے مادہ پرست دانشوروں کی بجائے ادیانِ عالم کے پیروکاروں کے سامنے قرآن کی دعوت پیش کرنے کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے' اس لیے کہ آیتِ کریمہ کے الفاظ سے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ قرآن کی ہدایت سے کسی درجے میں مماثل ہدایت کے ملنے کا امکان اگر کہیں ہو سکتا

ہے تو وہ کسی ''مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ'' کتاب میں ہی ہوسکتا ہے' کیونکہ قرآن کریم اور کُتُبِ سماویہ کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ ان میں ایک دوسرے کے معانی کی طرف رہبری کے علاوہ اسلوب اور فصاحت و بلاغت میں بھی مماثلت کے امکانات موجود ہیں۔ اور شاید اسی لیے قرآن کریم نے اس مقام پر تحدی میں ﴿فَاْتُوْا بِکِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ﴾ میں مِثْلِہٖ کی بجائے ﴿ھُوَ اَھْدٰی مِنْھُمَا﴾ کی شرط لگائی ہے۔ اس طرح قرآن کریم کی ان ساری چھ آیاتِ تحدی کا مجموعی مضمون کچھ یوں بنتا ہے: ''اے آسمانی ہدایت کے منکرو! اور عقل کا نام لے کر محض اپنی خواہشاتِ نفس کے پرستار دانشورو! تم ہدایت تو کیا ہدایت کی مشابہت سے بھی دور ہی رہو گے ——— اور اے آسمانی ہدایت ماننے اور اسے قبول کرنے کے لیے آمادہ انسانو! تمہیں یہ ہدایت قرآنِ کریم سے بہتر اور کہیں نہیں ملے گی۔''

عقلی رہنمائی کی بجائے عقل کی رہنمائی کے لیے آسمانی ہدایت کی ضرورت اب صرف تسلیم ہی نہیں کی جا رہی' بلکہ آج کا انسان اس کی تلاش میں ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی دیگر صحفِ سماویہ یا الہامی کتابوں پر فضیلت اور برتری کے پہلوؤں پر زور دیا جائے ——— یہ وقت کی ضرورت ہے۔

قرآن کریم کی برتری صرف اس بات میں نہیں کہ وہ عقلی رہنمائی سے بہتر رہنمائی دیتا ہے ——— ہدایت کے معاملے میں اب عقل کو بھی ایک ''مفلوج اور مغلوب دیو'' سمجھا جانے لگا ہے[1] ——— قرآنِ کریم کی عظمت و اعجاز کا سب سے اہم نہیں تو بہت اہم پہلو یہی ہے کہ وہ عقلِ انسانی کی رہنمائی کرنے والی مذاہبِ عالم کی آسمانی کتابوں میں بھی سب سے بہتر ہدایت یا انسانی مسائل کے بہتر حل کا حامل ہے۔ اس کتابِ مہیمن کو صحفِ سماویہ یا الہامی کتابوں پر کئی اور لحاظ سے بھی فوقیت اور برتری حاصل ہے۔ ان میں سے کئی پہلو ایسے بھی ہیں جن کی وضاحت بذاتِ خود مستقل تصنیف یا مقالہ کی محتاج ہے اور بعض پر تو کتابیں موجود ہیں۔ یہاں صرف ابتدائی خاکے کے طور پر صحف سماویہ پر قرآن کریم کی فضیلت و برتری کے چند اہم پہلوؤں کے عنوانات کا ذکر کیا جاتا ہے اور اہل علم سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ ان عنوانات کو اپنی تحقیق اور ریسرچ کا موضوع بنائیں:

(۱) اپنی پوزیشن (کتاب اللہ ہونے کے لحاظ سے) کی اندرونی شہادت اور وضاحت۔

---

(۱) ان ہی دنوں اخبارات میں شاہِ ایران کا امریکہ کے متعلق اسی قسم کا مشہور ریمارک آیا تھا۔

(۲) لانے والے کے ساتھ نسبت کی ظنیت یا قطعیت۔
(۳) لانے والے کی شخصیت اور کردار کے مطالعہ کا مواد۔
(۴) آغازِ نزول سے آج تک پوری تاریخ کی حفاظت۔
(۵) متن کی حفاظت کے انتظامات اور اُس کے نتائج۔
(۶) تحریف و اتلاف اور حک و اضافہ سے حفاظت۔
(۷) زبانِ نزول کا زندہ و تابندہ رہنا۔
(۸) شستہ اور مہذب اسلوب (فحش اور حیا سوز عبارتوں سے پاک ہونا)۔
(۹) جامعیت اور عالمگیریت کا دعویٰ۔
(۱۰) دعویٰ تکمیلِ ہدایت (کسی آئندہ ہدایت کا محتاج نہ بنانا)۔
(۱۱) علمِ صحیح اور فطرتِ صحیحہ سے متصادم نہ ہونا (ناقابلِ عمل احکام سے پاک ہونا)۔
(۱۲) برپا کردہ انقلاب کی کیفیت۔
(۱۳) بنیادی انسانی اقدار کے فروغ میں انسانی تہذیب و تمدن پر اثرات۔

بقیہ: حرفِ اوّل

نشانی ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس لق و دق صحرا کی پہاڑیوں میں ان کو اور شیر خوار بچے کو چھوڑ کر جا رہے تھے تو حضرت ہاجرہ نے ان سے دریافت کیا تھا کہ آپ ہم کو کس کے حوالے کر کے جا رہے ہیں؟ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا تھا کہ اللہ کے حوالے۔ جس پر حضرت ہاجرہ نے کہا تھا: یہ صورت حال ہے تو میں راضی ہوں' آپ تشریف لے جائیے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بے چینی کے عالم میں ایڑیاں رگڑنے سے معجزانہ طور پر چاہِ زم زم کا ظہور ہوا جس سے چار ہزار سال گزرنے کے بعد آج بھی لاکھوں بندگانِ خدا سیراب ہوتے ہیں۔

❁❁❁

میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجئے۔

نماز میں صف بندی
اہمیت اور طریقۂ کار

جواد حیدر☆

دین اسلام میں اجتماعیت کا ایک خاص مقام ہے' یہاں تک کہ عبادات میں بھی اجتماعیت کے پہلو کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ آج کے دور میں جن عبادات کو پرائیویٹ مسئلہ کہہ کر تنقیص کی جاتی ہے وہ اجتماعیت کا بہترین مظہر ہیں' حج کی حیثیت ایک عالمگیر اجتماع کی ہے۔ زکوٰۃ میں یہی حکمت نظر آتی ہے کہ اجتماعیت کو استحکام حاصل ہو۔ روزہ اپنے حقیقی مقاصد کے ساتھ ساتھ ضبط نفس کی ایسی ٹریننگ ہے جو ایک نظام کے تحت' ایک قانون کے مطابق انسانوں کو چلنے کی تیاری کرواتا ہے اور مسلمان اپنے سارے بھائیوں کے ساتھ اکٹھے روزے کا آغاز اور اختتام کرتے ہیں اور پھر اکٹھے ہو کر عید کی خوشی مناتے ہیں جو اجتماعیت کا ایک خوبصورت مظہر ہے۔ نماز میں باجماعت ادائیگی کی سختی شاید اسی وجہ سے موجود ہے کہ لوگوں کو اجتماعیت کی ایک لڑی میں پرویا جائے۔ اسی باجماعت نماز میں مزید محبت واخوت قائم کرنے والی چیز ''صف بندی'' ہے' جس کا نبی اکرم ﷺ خاص اہتمام فرماتے اور صف توڑنے اور برابری نہ کرنے والوں کو وعید سنایا کرتے تھے۔ احادیثِ مبارکہ میں صف بندی کی جو اہمیت بیان کی گئی ہے اس کے پیش نظر معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حیثیت اور مقام ومرتبہ غیر معمولی ہے اور اس کی خلاف ورزی موجب وعید ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُسَوِّيْ صُفُوْفَنَا حَتّٰى كَاَنَّمَا يُسَوِّيْ بِهَا الْقِدَاحَ حَتّٰى رَأٰى اَنَّا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ ' ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا فَقَامَ حَتّٰى كَادَ يُكَبِّرُ فَرَآى رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهُ مِنَ الصَّفِّ فَقَالَ : ((عِبَادَ اللّٰهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ اَوْ

☆ ریسرچ ایسوسی ایٹ' قرآن اکیڈمی لاہور

لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ)) (۱)

''اللہ کے رسول ﷺ ہماری صفوں کو اس طرح برابر کیا کرتے تھے گویا آپ تیر کو سیدھا کر رہے ہیں۔ (صفوں کی درستگی کے عمل سے تب رکتے) جب آپؐ خیال کرتے کہ ہم نے اس کو آپؐ سے سمجھ لیا ہے (اور صفوں کو درست کر لیا ہے)۔ پھر ایک دن آپؐ تشریف لائے' نماز کے لیے کھڑے ہوئے' اللہ اکبر کہنے ہی والے تھے کہ آپؐ نے ایک آدمی کو دیکھا جس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا تھا تو آپؐ نے فرمایا: ''اللہ کے بندو! اپنی صفوں کو لازماً سیدھا کیا کرو' ورنہ اللہ تمہارے درمیان مخالفت ڈال دے گا۔''

اس حدیث سے درج ذیل اُمور مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) صفوں کی درستگی کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔ صحابیؓ نے آپؐ کے اس فعل کو تیر کے سیدھا کرنے سے مشابہت دی ہے' گویا آپؐ اس کام کو تکلف سے کیا کرتے تھے۔

(۲) صفوں کو عین درست کر لینے کے بعد نماز شروع کرنی چاہیے۔

(۳) تشبیہ میں مبالغہ ہوسکتا ہے۔

(۴) لوگوں کی اصلاح کرتے رہنا چاہیے جب تک کہ وہ اپنی حالت درست نہ کر لیں۔ گویا دعوت وتبلیغ میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں ہونی چاہیے اور لوگوں کی تربیت واصلاح کے لیے انسان کو ہر وقت حریص رہنا چاہیے۔ جس شخص کا سینہ باہر نکلا ہوا تھا اس کو آپؐ کا نماز شروع کرتے وقت دیکھنا اور نماز روک کر اس کو سمجھانا اس بات کا ثبوت ہے کہ لوگوں کی اصلاح کا کام کس قدر اہم ہے۔

(۵) منکرات کو دیکھ کر فوراً ان کا تدارک کرنا چاہیے۔

(۶) صفوں کی درستگی میں یہ چیز شامل ہے کہ صف بالکل برابر ہو۔ کوئی شخص آگے پیچھے نہ ہو۔

(۷) صف میں صرف پاؤں برابر کر لینا کافی نہیں' بلکہ پورا بدن برابر کرنا چاہیے۔

(۸) بھرے مجمع میں کسی ایک شخص کو غلطی کرتے دیکھ کر سبھی کو مخاطب کرتے ہوئے ایسا اصول بیان کر دیا جائے یا ایسی مثال دے دی جائے جس سے اس شخص کی توہین بھی نہ ہو اور وہ بات بھی سمجھ جائے' یہ بہترین انداز ہے۔

(۹) کسی کو غلطی کرتے دیکھ کر سخت رویہ اپنانے کی بجائے ایسے محبت بھرے الفاظ کہے جائیں کہ اس کی غلطی کی بھی اصلاح ہو جائے اور وہ برا بھی نہ مانے' اس سے مخاطب کی نیکی کی

طرف رغبت بڑھتی ہے۔ جیسے نبی اکرم ﷺ نے ''عباد اللہ'' کہہ کر مخاطب فرمایا۔

(۱۰) بسا اوقات چھوٹے چھوٹے گناہ بڑی قباحتوں کا سبب بن جاتے ہیں' اس لیے چھوٹے گناہوں سے بھی تکلف کے ساتھ بچا جائے۔

(۱۱) اُمت کی اجتماعیت سے نکلنا' چاہے ذرہ برابر ہی کیوں نہ ہو' لائق مذمت ہے۔ لہٰذا شاذ موقف اپنانے سے حتی الامکان گریز کرنا چاہیے۔

(۱۲) دین کے امور میں عقل کا کوئی تعلق نہیں۔ حکمت سمجھ آئے یا نہ آئے اس پر عمل کرنا لازم ہے۔

(۱۳) اختلافِ اُمت بہت بڑی قباحت ہے' جس سے خوف دلایا جا رہا ہے۔

(۱۴) اتحادِ اُمت کے لیے چھوٹے بڑے تمام امور پر عمل کرنا بے حد ضروری ہے۔

(۱۵) ایک امام کے تحت باقی تمام لوگ برابر ہیں۔ دنیا میں کسی کو کسی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں الّا یہ کہ جسے اللہ دے۔

(۱۶) اتحاد قائم کرنے کے لیے تفوق بھری خواہشات کی قربانی دینا ہوگی اور لوگوں کے برابر چلنا ہوگا۔

(۱۷) صف بندی نہ کرنا اختلافِ اُمت کا سبب ہے۔

(۱۸) یہ حدیث اسلام کے معاشرتی نظام کی بہترین عکاسی کر رہی ہے۔ اس کے تحت یہ درس دیا جا رہا ہے کہ لوگ مل کر رہیں اور اختلافات سے بچ کر محبت و آشتی کی راہوں پر چل کر امن وسکون قائم کریں۔

یہ حدیث متفق علیہ ہے' جسے امام بخاریؒ نے **کتاب الاذان' باب تسویة الصفوف عند الاقامة وبعدها** میں اور امام مسلمؒ نے **کتاب الصلاة' باب تسویة الصفوف واقامتها وفضل الاول فالاول منها** میں نقل کیا ہے۔

صف بندی کی اہمیت کے بارے میں بے شمار احادیث کتابوں میں موجود ہیں' لیکن اہل سنت کے سامنے ایک بھی دلیل آ جائے تو سر تسلیم خم کر لیتے ہیں۔ میرا مضمون اسی اہل سنت کے طائفہ کے لیے ہے جو آج کل اس کوتاہی کا شکار ہے' اور جو نہ ماننے پر مصر ہو تو اسے بے شمار دلائل پیش کرنے کے باوجود اس کی اصلاح ممکن نہیں۔

اس حدیث کی توضیح کے بعد ہم صف بندی کا طریقہ کار تحریر کرتے ہیں جو نبی اکرم ﷺ سے ہمیں ملتا ہے۔ تفصیل سے پہلے ضروری ہے کہ ایک اصولی بات سمجھ لی جائے جو نبی اکرم ﷺ نے بیان فرمائی۔ ارشادِ نبویؐ ہے: ((صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ))(۲) ''تم اس

طرح نماز پڑھا کرو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے''۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی نماز کو آپ ﷺ کی نماز جیسی بنالیں۔ نماز میں صفوں کی درستگی کے بارے میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

(۱) صفوں کا سیدھا ہونا

صف میں موجود تمام لوگوں کو اس انداز میں کھڑا ہونا چاہیے کہ سب برابر ہوں' کوئی آگے یا پیچھے نہ ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ)) (۳)

''تم اپنی صفوں کو سیدھا رکھا کرو' کیونکہ صفوں کو سیدھا رکھنا اقامت نماز میں سے ہے۔''

نیز حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَمْسَحُ مَنَاكِبَنَا فِي الصَّلَاةِ وَيَقُوْلُ : ((اِسْتَوُوْا وَلَا تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُكُمْ)) (۴)

''اللہ کے رسول ﷺ نماز کے لیے ہمارے کندھوں کو پکڑ کر (برابر کرتے اور) فرماتے: ''برابر ہو جاؤ اور اختلاف نہ کرو' ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف در آئے گا۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلَاةِ اَخَذَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ الْتَفَتَ فَقَالَ : ((اِعْتَدِلُوْا سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ)) ثُمَّ اَخَذَهٗ بِيَسَارِهٖ فَقَالَ : ((اِعْتَدِلُوْا سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ)) (۵)

''رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو عصا مبارک کو دائیں ہاتھ سے پکڑ کر (نمازیوں کی طرف) متوجہ ہوتے اور فرماتے: ''سیدھے ہو جاؤ' اپنی صفیں برابر کرلو''۔ پھر عصا مبارک کو بائیں ہاتھ سے پکڑ کر فرماتے: ''سیدھے ہو جاؤ' اپنی صفیں برابر کرلو''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ (نماز شروع کرنے سے پہلے) تین دفعہ فرمایا کرتے تھے:

((اِسْتَوُوْا اِسْتَوُوْا اِسْتَوُوْا.....)) (۶)

''برابر ہو جاؤ' برابر ہو جاؤ' برابر ہو جاؤ.....''

ان احادیث اور ان جیسی دیگر بے شمار روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ صفوں کے برابر ہونے کے بارے میں خاص اہتمام ہونا چاہیے' کوئی بھی شخص صف سے آگے یا پیچھے نہ ہو' بلکہ سب برابر ہوں' کیونکہ صفوں کی درستگی نہ ہونے سے نماز ناقص رہ جاتی ہے۔ ابوداؤد کی روایت کے یہ الفاظ ((اِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ)) (۷) اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ صفیں برابر نہ ہوں تو نماز نامکمل رہ جاتی ہے۔ اور ((مِنْ اِقَامَةِ الصَّلَاةِ))(۸) کے الفاظ سے بعض نے تو یہ استدلال کیا ہے کہ چونکہ اقامت صلوٰۃ واجب ہے اور اصول یہ ہے کہ ''کل شیء من الواجب واجب'' یعنی واجب سے متعلق ہر شے واجب ہوتی ہے' لہٰذا صفوں کو سیدھا رکھنا' جو اقامت صلوٰۃ میں سے ہی ہے' بھی واجب ٹھہرتا ہے۔

مزید یہ کہ اس بارے میں کسی بھی عالم' محدث یا فقیہہ کا اختلاف نہیں ہے اور اس پر اجماع ہے۔ نماز میں صفوں کی برابری کا بہترین انداز یہ ہے کہ اگر کسی صف وغیرہ پر نماز پڑھی جارہی ہے تو اس کے کنارے پر سب کے پاؤں کی ایڑی آئے اور اگر قالین وغیرہ پر نماز ادا کی جارہی ہے تو اس پر لائن لگا دی جائے اور تمام لوگ اس پر اپنی ایڑی رکھیں' یوں صف سیدھی ہو جائے گی۔

(۲) ایک دوسرے سے اس طرح مل کر کھڑے ہوں کہ درمیان میں خلا نہ رہے

اس بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نماز کی اقامت کہی گئی تو رسول اللہ ﷺ ہماری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا:

((اَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ وَتَرَاصُّوْا)) (۹)

''اپنی صفوں کو سیدھا کرو اور خوب مل کر کھڑے ہو۔''

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

..... ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا فَرَآنَا حَلَقًا فَقَالَ : ((مَالِيْ اَرَاكُمْ عِزِيْنَ)) قَالَ : ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا فَقَالَ :((اَلَا تَصُفُّوْنَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا؟)) فَقُلْنَا : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا؟ قَالَ :((يُتِمُّوْنَ الصُّفُوْفَ

الْأُوَلَ وَيَتَرَاصُّوْنَ فِي الصَّفِّ)) (۱۰)

''.....رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس پھر تشریف لائے اور انہوں نے ہمیں دیکھا کہ ہم حلقوں میں (منقسم) ہیں تو فرمایا: ''کیا بات ہے کہ میں تمہیں الگ الگ دیکھ رہا ہوں؟'' آپؐ پھر ہمارے پاس تشریف لائے تو فرمایا: ''کیا تم صف بندی اس طرح نہیں کرتے جیسے کہ فرشتے اپنے ربّ کے پاس کرتے ہیں؟'' تو ہم نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! فرشتے اپنے ربّ کے ہاں کیسے صف بندی کرتے ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا: ''وہ اگلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں اور صف میں ایک دوسرے کے ساتھ خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

((رُصُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَقَارِبُوْا بَيْنَهَا وَحَاذُوْا بِالْأَعْنَاقِ، فَوَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ إِنِّيْ لَأَرَى الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ كَأَنَّهَا الْحَذَفُ)) (۱۱)

''اپنی صفوں کو خوب ملاؤ اور صفوں میں قریب قریب ہو جاؤ' اپنی گردنوں کو برابر رکھو۔ اُس ذات کی قسم جس کے اختیار میں میری جان ہے! میں دیکھتا ہوں کہ شیطان بکری کے بچے کی طرح صفوں کے خلا میں گھس جاتا ہے''۔ (۱۲)

مذکورہ بالا دونوں احادیث میں الفاظ ''رُصُّوْا'' اور ''يَتَرَاصُّوْنَ'' بہت اہم ہیں۔ ان کا مادہ ''رص ص'' ہے اور رَصَّ يَرُصُّ کا مطلب ہے ملنا' جڑنا' ہموار ہونا' سیسہ پلانا' یا سیسہ پالش کرنا۔ گویا کسی چیز کا دوسری چیز سے اس طرح ملنا کہ مزید گنجائش نہ ہو' کوئی جگہ نہ بچے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾

(الصّف)

''بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَسِّطُوا الْإِمَامَ وَسُدُّوا الْخَلَلَ)) (۱۳)

''امام کو درمیان میں رکھو اور (صفوں کے درمیان) رخنوں کو پُر کرو''۔

ان احادیث سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ ممکن حد تک صف کو اس طرح ملایا جائے کہ اس میں ذرا بھی خلا نہ رہے' کیونکہ جو خلا رہ جاتا ہے اس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ شیطان اس میں داخل ہو جاتا ہے' دلوں میں اختلاف ڈالتا ہے اور لوگوں کو باہم دُور کرتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ صفوں کو حتی الوسع جوڑا جائے' اور یہ تبھی ممکن ہے جب اپنے ساتھ والے شخص کے ساتھ خوب مل کر کھڑا ہوا جائے۔ اس طرح کھڑا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ:

(۱) کندھے کے ساتھ کندھا ملا ہوا ہو۔

(۲) پاؤں سے پاؤں ملا ہوا ہو۔

جیسے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَقِیْمُوْا صُفُوْفَکُمْ فَاِنِّیْ اَرَاکُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِیْ)) وَکَانَ اَحَدُنَا یُلْزِقُ مَنْکِبَهُ بِمَنْکِبِ صَاحِبِهٖ وَقَدَمَهُ بِقَدَمِهٖ (۱۴)

''تم اپنی صفوں کو درست کیا کرو' بے شک میں تم کو اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں''۔ (حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) تب ہم میں سے ہر ایک اپنا کندھا اپنے ساتھ والے کے کندھے کے ساتھ ملاتا اور اپنے پاؤں کو ساتھ والے شخص کے پاؤں کے ساتھ جوڑتا۔''

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کندھے سے کندھا اور پاؤں سے پاؤں ملانا مشروع ہے اور آپ ﷺ کے دَور میں صحابہ یوں ہی صفیں درست کیا کرتے تھے۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وافاد هذا التصریح ان الفعل المذکور کان فی زمن النبی ﷺ وبهذا یتم الاحتجاج به علی بیان المراد باقامة الصف وتسویته (۱۵)

''(حضرت انس رضی اللہ عنہ کی) یہ تصریح اس بات کا فائدہ دیتی ہے کہ مذکورہ فعل (یعنی اپنے ساتھی کے کندھے سے کندھا ملانا اور اس کے پاؤں سے اپنا پاؤں ملانا) نبی معظم ﷺ کے دَور میں ہوا کرتا تھا اور اسی سے اقامت صف اور صف کی برابری پر دلیل قائم ہوتی ہے''۔

اس کے بعد امام ابن حجر رحمہ اللہ حضرت معمر رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ نقل کرتے ہیں کہ:

ولو فعلتُ ذٰلك باحدهم الیوم لنفر کانه بغل شموس

''اور اگر آج ان میں سے کسی سے میں ایسا کروں (یعنی پاؤں سے پاؤں اور کندھے سے کندھا ملاؤں) تو وہ ایسے بھاگتا ہے جیسے وہ بدکا ہوا خچر ہو''۔

اس لیے آج ہمیں اس سنت سے یوں مُنہ موڑنے کی بجائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس عمل کو حرزِ

جاں بنانا چاہیے جس کا نبی مکرم ﷺ انہیں حکم دیتے تھے۔

(۳) ٹخنے سے ٹخنہ ملا ہوا اور گھٹنے سے گھٹنا

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ صفوں کی درستگی کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ وَرُكْبَتَهُ بِرُكْبَةِ صَاحِبِهِ وَكَعْبَهُ بِكَعْبِهِ (۱۶)

''پس میں کسی شخص کو (صف میں) دیکھتا تو وہ اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے سے' اپنا گھٹنا اس کے گھٹنے سے اور ٹخنہ اس کے ٹخنے سے ملائے ہوئے ہوتا''۔

امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے:

وَقَالَ النُّعْمَانُ بْنُ بَشِيرٍ : رَأَيْتُ الرَّجُلَ مِنَّا يُلْزِقُ كَعْبَهُ بِكَعْبِ صَاحِبِهِ (۱۷)

''حضرت نعمان بن بشیرؓ نے فرمایا کہ میں اپنے میں سے کسی شخص کو دیکھتا تو اس نے اپنا ٹخنہ اپنے ساتھی کے ٹخنے سے ملایا ہوتا۔''

صف بندی کے اس مسئلہ میں اصل حکم نبی اکرم ﷺ کا وہی فرمان ہے کہ ''سُدُّوا الْخَلَلَ'' یعنی صف کے درمیان کوئی خلا نہ رہے۔ آپؐ کے اسی فرمان کے پیش نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب نماز میں صف بندی کرتے تو کسی کا گھٹنا ساتھ والے شخص کے گھٹنے کے ساتھ مل جاتا تو کسی کا ٹخنہ ساتھی کے ٹخنے سے۔ صحابہ چونکہ متبع السنت تھے اور آپؐ کے احکام کی بجا آوری بالتکلف کیا کرتے تھے اس لیے وہ اس قدر اہتمام فرماتے تھے۔ آج ہمیں بھی چاہیے کہ نبی مکرم ﷺ کی سنت کی پیروی کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کا سا انداز اپنائیں۔

باجماعت صف بندی کے بارے میں چند دیگر مسائل

(۱) امام درمیان میں ہونا چاہیے

اس بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((وَسِّطُوا الْإِمَامَ وَسُدُّوا الْخَلَلَ)) (۱۸)

''امام کو (صف کے) درمیان میں رکھو اور (اپنی صفوں میں) کوئی خلا نہ چھوڑو''۔

گویا امام کے پیچھے اس طرح صف بنانی چاہیے کہ امام درمیان میں ہو اور لوگ اس کے پیچھے

کھڑے ہونے شروع ہوں اور دائیں اور بائیں جانب برابر پھیلتے چلے جائیں۔

(۲) صف کے پیچھے اکیلا شخص کھڑا نہ ہو

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا صَلَاةَ لِمُنْفَرِدٍ خَلْفَ الصَّفِّ)) (۱۹)

''صف کے پیچھے اکیلے شخص کی نماز نہیں''۔

حضرت وابصہ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے جس میں ہے کہ:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَأَى رَجُلًا يُصَلِّيْ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهٗ فَاَمَرَهٗ اَنْ يُّعِيْدَ ـــ قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ ـــ الصَّلَاةَ)) (۲۰)

''آنجناب ﷺ نے ایک شخص کو صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھتے دیکھا تو اسے نماز لوٹانے کا حکم دیا''۔

یہ اور اس جیسی دیگر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ صف کے پیچھے اکیلے شخص کی نماز نہیں ہوتی اور یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے۔ اب مشکل یہ ہے کہ اگر اگلی صف میں بالکل جگہ نہ ہو تو آنے والا شخص کیا کرے۔ اس بارے میں تین ممکنہ صورتیں ہیں:

(۱) اگلی صف سے کسی کو پیچھے کھینچ لے۔

(۲) اکیلا ہی نماز پڑھ لے۔

(۳) نماز شروع نہ کرے بلکہ کسی اور کے آنے کا انتظار کرے۔

مذکورہ بالا تین ممکنہ صورتوں میں سے پہلی صورت یہ ہے کہ اگلی صف سے کسی کو پیچھے کھینچ لیا جائے۔ اس بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اگلی صف سے کسی کو پیچھے کھینچنا جائز ہے اور دوسرا یہ کہ یہ عمل جائز نہیں۔ اگلی صف سے پیچھے کھینچنے کو جائز کہنے والوں کے دلائل ان احادیث پر مشتمل ہیں جو الاوسط، مسند ابو یعلیٰ، البیہقی، ابن حبان، ابن نعیم اور مراسیل ابی داؤد میں نقل کی گئی ہیں۔ یہ تمام روایات کئی علتوں کی بنا پر ضعیف ہیں۔ البتہ شمس الحق عظیم آبادی نے مراسیل ابی داؤد کے حوالے سے جو روایت پیش کی ہے وہ سنداً تو صحیح ہے لیکن مرسل ہونے کی بنا پر حجت نہیں سمجھی جاتی۔ یعنی یہ روایت کہ:

((اِنْ جَاءَ فَلَمْ يَجِدْ خَلَلًا اَوْ اَحَدًا فَلْيَخْتَلِجْ اِلَيْهِ رَجُلًا مِنَ الصَّفِّ فَلْيَقُمْ مَعَهٗ، فَمَا اَعْظَمَ اَجْرَ الْمُخْتَلِجِ)) (۲۱)

''اگر کوئی شخص آئے اور وہ صف میں جگہ نہ پائے اور نہ ہی کوئی اور شخص ہو تو اسے صف میں سے کسی کو کھینچ لینا چاہیے اور اس (کھینچے جانے والے) شخص کو اس کے ساتھ کھڑا ہو جانا چاہیے۔ اس کھینچے جانے والے شخص کے لیے کیا ہی عظیم اجر ہے!''

اگلی صف سے پیچھے نہ کھینچنے کی رائے رکھنے والوں میں امام شافعی' ابن مبارک' ثوری' امام مالک' اوزاعی' حسن بصری اور اہل الرائے رحمہم اللہ ہیں۔ ان کی دلیل یہی ہے کہ مذکورہ بالا تمام روایات ضعیف ہیں' اور چونکہ آگے سے کسی شخص کو کھینچنے سے ساری صف میں خلل واقع ہوگا جسے دُور کرنے کا حکم دیا گیا ہے' اس لیے درست بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ آگے سے کسی شخص کو پیچھے نہ کھینچا جائے۔

مذکورہ بالا تین ممکنہ صورتوں میں سے دوسری صورت یہ ہے کہ اکیلا ہی نماز پڑھ لے۔ مجبوری کی صورت میں عذر کی بنا پر ایسا کرنا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے۔ اسی مسلک کو امام ابن تیمیہؒ نے اختیار کیا ہے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ نماز ہی نہ پڑھے۔ یہ صورت باطل ہے۔ اس کو کسی نے بھی اختیار نہیں کیا۔

گویا آنجناب ﷺ کا یہ فرمان کہ ((لَا صَلَاةَ لِمُنْفَرِدٍ خَلْفَ الصَّفِّ)) عام حالات میں بغیر عذر پر محمول کیا جائے گا۔ [حوالہ گزر چکا ہے]

(۳) مَردوں کے لیے پہلی صف میں کھڑے ہونا باعث اعزاز ہے اور پیچھے رہنا باعث مذمت

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ لَاسْتَهَمُوْا))(۲۲)

''اگر لوگوں کو علم ہو جائے کہ پہلی صف میں (کھڑے ہونے کی فضیلت) کیا ہے تو لوگ یقیناً اس میں کھڑے ہونے کے لیے قرعہ اندازی کریں''۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصُّفُوْفِ الْاُوَلِ)) (۲۳)

''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صفوں (والوں) کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں''۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

((خَيْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ اَوَّلُهَا وَشَرُّهَا آخِرُهَا ، وَخَيْرُ صُفُوْفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا)) (۲۴)

''مردوں کی بہترین صفیں پہلی اور بدترین آخری ہیں' جبکہ عورتوں کی بہترین صفیں آخری اور بدترین پہلی ہیں''۔

امام الہدیٰ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے مزید فرمایا کہ:

((لَا يَزَالُ قَوْمٌ يَتَأَخَّرُوْنَ عَنِ الصَّفِّ الْاَوَّلِ حَتّٰى يُؤَخِّرَهُمُ اللّٰهُ فِي النَّارِ)) (۲۵)

''لوگ پہلی صف سے مسلسل پیچھے رہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کو جہنم میں پیچھے ڈال دے گا''۔

مذکورہ بالا احادیث نبویہؐ کی رُو سے صفِ اوّل سے کیا مراد ہے' اس کے بارے میں علماء کی آراء مختلف ہیں۔ اہل علم کے ایک گروہ کا موقف ہے کہ اس سے مراد نمازیوں کا سب سے پہلے نماز کے لیے حاضر ہونا ہے اور وہی فضیلت کے مستحق ہیں چاہے انہیں پچھلی صفوں میں ہی جگہ ملے۔ اور باجماعت نماز کے لیے بعد میں آنے والوں کو پچھلی صفوں والے کہا گیا ہے اور ان کی مذمت کی گئی ہے۔ جبکہ بعض دیگر مثلاً امام نوویؒ' ابن حجرؒ اور ان کے علاوہ بے شمار علماء کا موقف یہ ہے کہ صف اوّل سے مراد تعین کے ساتھ امام کے ساتھ والی پہلی صف ہی ہے اور وہی لوگ مذکورہ فضیلت کے مستحق ہیں اور عمداً پیچھے رہنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ لہٰذا تمام دلائل کے پیش نظر دوسرا موقف ہی راجح معلوم ہوتا ہے۔ (۲۶)

خلاصہ

نماز میں صف بندی' صفوں کو درست کرنا اور برابر کرنا بے حد اہمیت کا حامل ہے جس میں کوتاہی نماز کی صحت میں باعث عیب ہے۔ اس کا بہترین انداز وہ ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ نے سکھایا اور انہوں نے اپنایا۔ اور وہ یہ ہے کہ صف بالکل سیدھی ہو' کوئی بھی شخص آگے یا پیچھے نہ ہو۔ قالین کی لائن یا عام صف کے کنارے پر پاؤں رکھنے سے صف سیدھی ہو جاتی ہے۔ اور صف میں خلا نہ ہو۔ اس کے لیے حتی المقدور کوشش ہونی چاہیے کہ اپنے ساتھ والے شخص کے ساتھ جڑ کر کھڑا ہوا جائے۔ کم از کم اس کے کندھے کے ساتھ کندھا اور پاؤں کے ساتھ پاؤں ملانے سے خلا نہیں رہتا۔ صحابہ کرامؓ جب ایسا کرتے تو کسی کے گھٹنے آپس میں مل جاتے' کسی کے ٹخنے اور کسی کی پنڈلی۔ اگرچہ یہ تمام امور بجالانے کی کوشش کرنی چاہیے لیکن اگر صرف کندھے اور پاؤں بھی مل جائیں تو کافی ہے۔

اس مسئلہ میں آنجناب ﷺ کے یہ الفاظ ((وَلِيْنُوْا بِاَيْدِیْ اِخْوَانِكُمْ))[۲۷] خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ اس لیے صف بندی میں ہاتھ باندھتے وقت کہنیوں کو اس قدر نہیں تان لینا چاہیے کہ ساتھ والا شخص تنگ ہو۔ کھڑے ہونے کا انداز اور مجموعی کیفیت بھی ایسی ہونی چاہیے کہ ساتھ والا شخص تنگ نہ ہو' کیونکہ صف بندی کی حکمت یہ ہے کہ لوگوں کے دل باہم قریب ہو جائیں اور وہ اختلاف اور ناچاقی کی قباحتوں اور برائیوں سے بچ جائیں۔

(واللہ اعلم وما توفیقی الا باللہ)

حواشی

(۱) صحیح البخاری' کتاب الاذان' باب تسویة الصفوف عند الاقامة وبعدھا۔ وصحیح مسلم' کتاب الصلاة' باب تسویة الصفوف واقامتھا وفضل الاول فالاول منھا۔

(۲) صحیح البخاری' کتاب الاذان' باب الاذان للمسافر اذا کانوا جماعة والاقامة وکذلك۔

(۳) صحیح البخاری' کتاب الاذان' باب اقامة الصف من تمام الصلاة۔ وصحیح مسلم' کتاب الصلاة' باب تسویة الصفوف واقامتھا وفضل الاول فالاول منھا۔ مسلم کی روایت میں "مِنْ اِقَامَةِ الصَّلَاةِ" کے بجائے "مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ" کے الفاظ ہیں۔

(٤) صحیح مسلم' کتاب الصلاة' باب تسویة الصفوف واقامتھا وفضل الاول فالاول منھا۔

(٥) سنن ابی داوٗد' کتاب الصلاة' باب تسویة الصفوف۔

(٦) سنن النسائی' کتاب الامامة' باب کم مرة یقول استووا۔

(٧) صحیح مسلم' کتاب الصلاة' باب تسویة الصفوف واقامتھا وفضل الاول فالاول منھا۔

(٨) صحیح البخاری' کتاب الاذان' باب اقامة الصف من تمام الصلاة۔

(٩) صحیح البخاری' کتاب الاذان' باب اقبال الامام علی الناس عند تسویة الصفوف۔

(١٠) صحیح مسلم' کتاب الصلاة' باب الامر بالسکون فی الصلاة والنھی عن الاشارة بالید ورفعھا عند السلام واتمام الصفوف الأوّل والتراص فیھا والامر بالاجتماع۔

(١١) سنن ابی داوٗد' کتاب الصلاة' باب تسویة الصفوف۔

(١٢) امام نوویؒ نے کہا ہے کہ اس کی سند مسلم کی شرط پر ہے۔

(١٣) سنن ابی داوٗد' کتاب الصلاة' باب مقام الامام من الصف۔

(١٤) صحیح البخاری' کتاب الاذان' باب الزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم فی الصف۔

(١٥) فتح الباری ۲/۲۱۱۔

(١٦) سنن ابی داوٗد' کتاب الصلاة' باب تسویة الصفوف۔

(١٧) صحیح البخاری' کتاب الاذان' باب الزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم فی الصف۔

(باقی صفحہ 64 پر)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحانات

آئینہ قرآنی میں

مرتب: حافظ محبوب احمد خان

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آبائی وطن بابل تھا جسے آج کل عراق کہتے ہیں۔ آپؑ کی پیدائش ۲۱۶۰ قبل مسیح میں ہوئی۔ تورات کے مطابق آپ کا نام ابرام اور ابراہم دونوں طرح سے آیا ہے' اور عمر مبارک ۱۷۵ سال ہوئی۔ جس شہر میں آپ کی ولادت ہوئی اس کا نام تورات میں اُر (Ur) تھا۔ مدتوں یہ شہر نقشہ سے غائب رہا' اب از سر نو نمودار ہو گیا ہے۔ کھدائی کے کام کی داغ بیل ۱۸۹۴ء میں ہی پڑ گئی تھی۔ ۱۹۲۲ء میں برطانیہ اور امریکہ کے ماہرین اثریات کی ایک مشترکہ تحقیقاتی مہم عراق کو روانہ ہوئی اور کھدائی کا کام پورے سات برس تک جاری رہا۔ اس سے جو تحریریں اور دوسری اشیاء دستیاب ہوئی ہیں ان سے آپ کے زمانہ کے لوگوں کے مذہبی' تمدنی اور معاشی حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ سر لیونارڈ وولی نے اپنی کتاب میں (جو لندن میں ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی تھی) ماہرین آثار قدیمہ کے جو تأثرات قلم بند کیے ہیں ذیل میں ان کا خلاصہ سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر تفہیم القرآن سے درج کیا جاتا ہے۔

اس عہد کی جو تحریرات آثار قدیمہ کے کھنڈروں سے دستیاب ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا نقطۂ نظر خالص مادہ پرستانہ تھا۔ دولت کمانا اور زیادہ سے زیادہ آسائش فراہم کرنا ان کا سب سے بڑا مقصد حیات تھا۔ سود خوری کثرت سے پھیلی ہوئی تھی۔ آپس میں بہت زیادہ مقدمہ بازیاں ہوا کرتی تھیں۔ آبادی تین طبقوں پر مشتمل تھی: (۱) عمیلو' یہ اونچے طبقہ کے لوگ تھے' جن میں پجاری' حکومتی عہدیدار اور فوجی افسر شامل تھے۔ اس طبقہ کو خاص امتیازات حاصل تھے۔ ان کے فوجداری اور دیوانی حقوق دوسروں سے مختلف تھے اور ان کی جان و مال کی قیمت دوسروں سے بڑھ کر تھی۔ (۲) مشکینو' یہ تاجر' اہل صنعت اور زراعت پیشہ

لوگ تھے۔ (۳) اُردو یہ غلام اور مزدور پیشہ لوگ تھے۔

اُر کے کتبات میں تقریباً پانچ ہزار خداؤں کے نام ملتے ہیں۔ ملک کے مختلف شہروں کے الگ الگ خدا تھے۔ ہر شہر کا ایک خاص محافظ خدا ہوتا تھا جو ربّ البلد' مہادیو یا رئیس الآلِھہ سمجھا جاتا تھا اور اس کا احترام دوسرے معبودوں سے زیادہ ہوتا تھا۔ اُر کا ربّ البلد ''نار'' (چاند دیوتا) تھا اور اسی مناسبت سے بعد کے لوگوں نے اس شہر کا نام ''قمرینہ'' بھی لکھا ہے۔ دوسرا بڑا شہر لَرسہ تھا جو بعد میں اُر کے بجائے مرکزِ سلطنت ہوا۔ اس کا ربّ البلد ''شماش'' (سورج دیوتا) تھا۔ ان بڑے خداؤں کے ماتحت بہت سے چھوٹے چھوٹے خدا بھی تھے جو زیادہ تر آسمانی تاروں اور سیاروں میں سے تھے اور لوگ اپنی مختلف فروعی ضروریات ان سے متعلق سمجھتے تھے۔ ان دیوی دیوتاؤں کی شبیہیں بتوں کی شکل میں بنائی گئی تھیں اور تمام مراسم عبودیت انہی کے آگے بجالائے جاتے تھے۔

''نار'' کا بت اُر میں سب سے اونچی پہاڑی پر ایک عالی شان عمارت میں نصب تھا۔ اسی کے قریب ''نار'' کی بیوی ''نن گل'' کا معبد تھا۔ نار کے معبد کی شان ایک شاہی محل سرا کی سی تھی۔ اس کی خواب گاہ میں روزانہ رات کو ایک پوجارن جا کر اس کی دلہن بنتی تھی۔ مندر میں بکثرت عورتیں دیوتا کے نام پر وقف تھیں اور ان کی حیثیت دیوداسیوں (religious prostitutes) کی تھی۔ وہ عورت بڑی معزز خیال کی جاتی تھی جو خدا کے نام پر اپنی بکارت قربان کر دے۔ کم از کم ایک مرتبہ اپنے آپ کو ''راہِ خدا'' میں کسی اجنبی کے حوالے کرنا عورت کے لیے ذریعہ نجات خیال کیا جاتا تھا۔ اب یہ بیان کرنا ضروری نہیں کہ اس مذہبی قحبہ گری سے مستفید ہونے والے زیادہ تر پجاری حضرات ہی ہوتے تھے۔

نار محض دیوتا ہی نہ تھا بلکہ ملک کا سب سے بڑا زمیندار' سب سے بڑا تاجر' سب سے بڑا کارخانہ دار اور ملک کی سیاسی زندگی کا سب سے بڑا حاکم بھی تھا۔ بکثرت باغ' مکانات اور زمینیں اس کے مندر کے لیے وقف تھیں۔ اس جائیداد کی آمدنی کے علاوہ کسان' زمیندار' تجار سب ہی ہر قسم کے غلے' دودھ' سونا' کپڑا اور دوسری چیزیں لا کر مندر میں نذر بھی کرتے تھے جنہیں وصول کرنے کے لیے مندر میں ایک بہت بڑا اسٹاف موجود تھا۔ ملک کی سب سے بڑی عدالت مندر ہی میں تھی۔ پجاری اس کے جج تھے اور ان کے فیصلے ''خدا'' کے فیصلے سمجھے جاتے تھے۔ خود شاہی خاندان کی حاکمیت بھی نار ہی سے ماخوذ تھی۔ اصل بادشاہ نار تھا اور

فرماں روائے ملک اس کی طرف سے حکومت کرتا تھا۔ اس تعلق سے بادشاہ خود بھی معبودوں میں شامل ہو جاتا تھا اور خداؤں کے مانند اس کی پرستش کی جاتی تھی۔

اُر کا شاہی خاندان جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں حکمران تھا' اس کے بانی اوّل کا نام اُرنمّو تھا جس نے ۲۳۰۰ برس قبل مسیح میں ایک وسیع سلطنت قائم کر لی تھی۔ اس کے حدودِ مملکت مشرق میں سوسہ سے لے کر مغرب میں لبنان تک پھیلے ہوئے تھے۔ اُسی سے اس خاندان کو نمو کا نام ملا جو عربی میں جا کر نمرود ہو گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کے بعد اس خاندان اور اس قوم پر مسلسل تباہی نازل ہونا شروع ہوئی۔ پہلے عیلامیوں نے اُر کو تباہ کیا اور نمرود کو نار کے بت سمیت پکڑ کر لے گئے۔ پھر لرسہ میں ایک عیلامی حکومت قائم ہوئی جس کے تحت اُر کا علاقہ غلام کی حیثیت سے رہا۔ آخر کار ایک عربی النسل خاندان کے ماتحت بابل نے زور پکڑا اور لرسہ اور اُر دونوں اس کے زیرِ حکم ہو گئے۔ ان تباہیوں نے نار کے بارے میں اُر کے لوگوں کا عقیدہ متزلزل کر دیا' کیونکہ وہ ان کی حفاظت نہ کر سکا۔

تعین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ بعد کے ادوار میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کا اثر اس ملک کے لوگوں نے کہاں تک قبول کیا' لیکن ۱۹۱۰ قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ حمورابی (بائبل کے مطابق امرافیل) نے جو قوانین مرتب کیے تھے وہ شہادت دیتے ہیں کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کی تدوین میں مشکوٰۃِ نبوت سے حاصل کی ہوئی روشنی کسی حد تک ضرور کارفرما تھی۔ ان قوانین کا مفصل کتبہ ۱۹۰۲ بعد مسیح میں ایک فرانسیسی مفتش آثارِ قدیمہ کو ملا اور اس کا انگریزی ترجمہ G.H.W. John نے ۱۹۰۳ بعد مسیح میں "The Oldest Code of Law" کے نام سے شائع کیا۔ اس ضابطۂ قوانین کے بہت سے اصول اور فروع موسوی شریعت سے مشابہت رکھتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید کی جو دعوت لے کر اُٹھے تھے اس کا اثر صرف بُتوں کی پرستش ہی پر نہ پڑتا تھا بلکہ شاہی خاندان کی معبودیت اور حاکمیت' پجاریوں اور اونچے طبقوں کی معاشرتی' معاشی اور سیاسی حیثیت اور پورے ملک میں اجتماعی زندگی اُس کی زد میں آتی تھی۔ ان کی دعوت کو قبول کرنے کے معنی یہ تھے کہ نیچے سے اوپر تک ساری سوسائٹی کی عمارت ادھیڑ ڈالی جائے اور اسے از سرِ نو توحید الٰہ کی بنیاد پر تعمیر کیا جائے۔ اسی لیے ابراہیم علیہ السلام کی آواز بلند ہوتے ہی عوام اور خواص' پجاری اور نمرود سب کے سب بیک وقت اس کو دبانے کے لیے

کھڑے ہو گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دَور کی یہ مختصر سی جھلک قرآنی مضامین کو سمجھنے میں اِن شاء اللہ بہت فائدہ مند ثابت ہو گی۔

تاریخ کے ضمن میں قرآن نے صرف ان حالات و واقعات کو بیان کیا ہے جن میں عبرت و نصیحت کے پہلو ہیں۔ قرآن تاریخ کی کتاب نہیں ہے' لہٰذا تاریخ کے اصول و ضوابط کے مطابق واقعات کی ترتیب بھی اُن شرائط کے مطابق نہیں ہوتی جن کو علماءِ تاریخ واقعات کے لیے لازم قرار دیتے ہیں' لہٰذا قرآن نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت کے یہ پہلو بیان کرنے کے لیے ترتیب و تنظیم والا معاملہ نہیں رکھا۔ تاہم جس قدر انسان کا تعلق مع القرآن مضبوط ہوتا ہے' اسی قدر وہ آسانی سے ان واقعات کو سمجھ سکتا ہے۔

آئینہ قرآنی کے یہ مناظر اس بات کو بہت اچھی طرح واضح کر دیں گے کہ آپ کو امام الناس' ابوالانبیاء' خلیل اللہ اور حنیف ☆ کیوں قرار دیا گیا اور ان مقامات پر فائز ہونے کے لیے آپ کس قدر کڑی آزمائشوں اور امتحانوں سے گزرے۔ ملت ابراہیمی کی کم و بیش چالیس سے زیادہ تعلیمات اس وقت اسلامی تعلیمات کا حصہ ہیں۔ ان کو شاہ عبدالعزیزؒ نے ''تفسیر عزیزی'' میں اور مولانا بدر عالم میرٹھیؒ نے اپنی کتاب ''ترجمان السنہ'' میں نقل کیا ہے۔ اختصار کے باعث حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت کے بہت سے پہلو تو یقیناً نگاہوں سے اوجھل رہیں گے مگر آپ کی دعوت اور قربانیوں کو سمجھنے کے لیے یقیناً اتنا بھی کافی ہے۔ آیئے آئینہ قرآنی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت اور دعوت کا مطالعہ کرتے ہیں:

☆ قرآن میں متعدد مقامات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر آتا ہے۔ آپؑ کی جلالتِ قدر اور مقام و مرتبہ کا یہ عالم ہے کہ آپؑ کی تین تین نسبتیں ہیں اور تینوں ہی نہایت بلند ہیں۔ ایک نسبت اللہ کے ساتھ یہ ہے کہ آپ ''خلیل اللہ'' ہیں۔ دوسری نسبت رسولوں اور نبیوں کے ساتھ ہے' اور وہ یہ کہ آپؑ ''ابوالانبیاء'' ہیں۔ سینکڑوں جلیل القدر پیغمبر آپؑ کی نسل میں گزرے ہیں۔ اُولُوالْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ میں سے تین یعنی حضرات موسیٰ' عیسیٰ اور محمد رسول اللہ علیہم الصلاۃ والسلام ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے ہیں۔ ان میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ بن باپ کے پیدا ہوئے' لیکن ان کی والدہ مریم علیہا السلام تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل ہی سے ہیں۔ تیسری نسبت پوری نوعِ انسانی کے ساتھ یہ ہے کہ آپؑ ''امامُ الناس'' ہیں۔ اس جلالتِ قدر کے ساتھ قرآن میں جہاں کہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر آیا ہے تو اُن کو جو آخری سند دی جاتی ہے وہ یہ ہے: ''اور آپ (ابراہیم علیہ السلام) مشرکوں میں سے نہ تھے۔'' (البقرۃ)..... (حقیقت و اقسامِ شرک' از ڈاکٹر اسرار احمد)

امام الناس کی تعمیر کعبہ کے وقت دُعائیں

اور جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیم کی آزمائش کی تو وہ اُن میں پورے اترے۔ ربّ ذوالجلال نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ (پروردگار) میری اولاد میں سے بھی (پیشوا بنائیو)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارا اقرار ظالموں کے لیے نہیں ہوا کرتا۔ اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لیے جمع ہونے اور امن پانے کی جگہ مقرر کیا' اور (حکم دیا کہ) جس مقام پر ابراہیم کھڑے ہوئے تھے اس کو نماز کی جگہ بنالو۔ اور ابراہیم اور اسماعیل کو کہا کہ طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے میرے گھر کو پاک صاف رکھا کرو۔ اور جب ابراہیم نے دعا کی کہ اے پروردگار! اس جگہ کو امن کا شہر بنا اور اس کے رہنے والوں میں سے جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان لائیں ان کے کھانے کو میوے عطا کر۔ تو اللہ نے فرمایا کہ جو کافر ہوگا میں اس کو بھی کسی قدر متمتع کروں گا (مگر) پھر اُس کو (عذاب) دوزخ کے (بھگتنے کے) لیے ناچار کردوں گا اور وہ بری جگہ ہے۔ اور جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (تو دعا کیے جاتے تھے کہ) اے پروردگار! ہم سے یہ خدمت قبول فرما' بے شک تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ اے پروردگار! ہم کو اپنا فرماں بردار بنائے رکھیو' اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے رہیو۔ اور (پروردگار) ہمیں ہمارے طریق عبادت بتا اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما' بے شک تو توجہ فرمانے والا مہربان ہے۔ اے پروردگار! ان (لوگوں) میں انہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کر جو اُن کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے اور اُن (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے۔ بے شک تو غالب اور صاحب حکمت ہے۔ اور ابراہیم کے دین سے کون روگردانی کر سکتا ہے بجز اس کے جو نہایت نادان ہو۔ ہم نے ان کو دنیا میں بھی منتخب کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ (زمرۂ) صلحاء میں ہوں گے۔ جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ اسلام لے آؤ تو انہوں نے عرض کی کہ میں ربّ العالمین کے آگے سر اطاعت خم کرتا ہوں۔ اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی اور یعقوب نے بھی (اپنے فرزندوں سے یہی کہا) کہ بیٹا اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند فرمایا ہے' تو مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔ (البقرۃ: ۱۲۴ تا ۱۳۲)

نمرود کے دربار میں اعلائے حق

بھلا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو اس (غرور کے) سبب سے کہ اللہ نے اس کو سلطنت بخشی تھی' ابراہیم سے پروردگار کے بارے میں جھگڑنے لگا۔ جب ابراہیم نے کہا میرا پروردگار تو وہی ہے جو جلاتا اور مارتا ہے وہ بولا کہ جلا اور مار تو میں بھی سکتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا کہ اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے' آپ اسے مغرب سے نکال دیجیے۔ (یہ سن کر) کافر حیران رہ گیا' اور اللہ بے انصافوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ (البقرۃ:۲۵۸)

اطمینانِ قلب کے لیے احیائے موتیٰ کی دلیل

اور جب ابراہیم نے کہا کہ اے پروردگار مجھے دکھا کہ تو مُردوں کو کیونکر زندہ کرے گا؟ اللہ نے فرمایا کیا تم نے (اس بات کو) باور نہیں کیا؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں' لیکن (میں دیکھنا) اس لیے (چاہتا ہوں) کہ میرا دل اطمینانِ کامل حاصل کر لے۔ اللہ نے فرمایا کہ چار جانور پکڑوا کر اپنے پاس منگا لو (اور ٹکڑے ٹکڑے کرا دو) پھر اُن کا ایک ایک ٹکڑا ہر ایک پہاڑ پر رکھوا دو' پھر ان کو بلاؤ تو وہ تمہارے پاس دوڑتے چلے آئیں گے۔ اور جان رکھو کہ اللہ غالب اور صاحب حکمت ہے۔ (البقرۃ:۲۶۰)

ستارہ پرست قوم کو دعوتِ توحید

اور (وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ تم بتوں کو کیوں معبود بناتے ہو؟ میں دیکھتا ہوں کہ تم اور تمہاری قوم صریح گمراہی میں ہو۔ اور ہم اس طرح ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھانے لگے تاکہ وہ خوب یقین کرنے والوں میں ہو جائیں۔ (یعنی) جب رات نے ان کو (پردۂ تاریکی سے) ڈھانپ لیا تو (آسمان میں) ایک ستارا نظر پڑا۔ کہنے لگے یہ میرا پروردگار ہے۔ جب وہ غائب ہو گیا تو کہنے لگے کہ مجھے غائب ہو جانے والے پسند نہیں۔ پھر جب چاند کو دیکھا کہ چمک رہا ہے تو کہنے لگے یہ میرا پروردگار ہے۔ لیکن جب وہ بھی چھپ گیا تو بول اٹھے کہ اگر میرا پروردگار مجھے سیدھا رستہ نہیں دکھائے گا تو میں اُن لوگوں میں ہو جاؤں گا جو بھٹک رہے ہیں۔ پھر جب سورج کو دیکھا کہ جگمگا رہا ہے تو کہنے لگے میرا پروردگار یہ ہے' یہ سب سے بڑا ہے' مگر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگے لوگو! جن چیزوں کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔ میں نے

سب سے یکسو ہو کر اپنے تئیں اُسی ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ اور ان کی قوم اُن سے بحث کرنے لگی تو انہوں نے کہا تم مجھ سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں (کیا) بحث کرتے ہو؟ اُس نے تو مجھے سیدھا رستہ دکھا دیا ہے۔ اور جن چیزوں کو تم اُس کا شریک بناتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا' ہاں جو میرا پروردگار کچھ چاہے۔ میرا پروردگار اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔ کیا تم خیال نہیں کرتے؟ بھلا میں ان چیزوں سے جن کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو کیونکر ڈروں؟ جبکہ تم اِس سے نہیں ڈرتے کہ اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو جس کی اُس نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ اب دونوں فریقوں میں سے کون سا فریق امن (اور جمعیت خاطر) کا مستحق ہے؟ اگر تم سمجھ رکھتے ہو (تو بتاؤ)۔ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا ان کے لیے امن (اور جمعیت خاطر) ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔ اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو اُن کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں۔ بے شک تمہارا پروردگار دانا اور خبردار ہے۔ (الانعام: ۷۴ تا ۸۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے اور پوتے کی خوشخبری

اور ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے تو سلام کہا' انہوں نے بھی (جواب میں) سلام کہا۔ ابھی کچھ وقفہ نہیں ہوا تھا کہ (ابراہیم) ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ جب دیکھا کہ اُن کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں جاتے (یعنی وہ کھانا نہیں کھاتے) تو اُن کو اجنبی سمجھ کر دل میں خوف کیا۔ (فرشتوں نے) کہا کہ خوف نہ کیجیے' ہم قوم لوط کی طرف (ان کے ہلاک کرنے کو) بھیجے گئے ہیں۔ اور ابراہیم کی بیوی (جو پاس) کھڑی تھی ہنس پڑی تو ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔ اس نے کہا اے ہے میرے بچہ ہوگا؟ میں تو بڑھیا ہوں اور یہ میرے میاں بھی بوڑھے ہیں' یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ انہوں نے کہا کیا تم اللہ کی قدرت سے تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت تم پر اللہ کی رحمت اور اُس کی برکتیں ہیں۔ وہ سزاوارِ تعریف اور بزرگوار ہے۔ جب ابراہیم سے خوف جاتا رہا اور ان کو خوشخبری بھی مل گئی تو قوم لوط کے بارے میں لگے ہم سے بحث کرنے۔ بے شک ابراہیم بڑے تحمل والے' نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔ (ھود: ۶۹ تا ۷۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مکہ کے لیے امن وخوشحالی کی دعا

اور جب ابراہیم نے دعا کی کہ میرے پروردگار! اس شہر کو (لوگوں کے لیے) امن کی جگہ بنادے' اور مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے کہ بتوں کی پرستش کرنے لگیں' بچائے رکھنا۔ اے پروردگار! انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ سو جس شخص نے میرا کہا مانا وہ میرا ہے اور جس شخص نے میری نافرمانی کی تو تُو بخشنے والا مہربان ہے۔ اے پروردگار! میں نے اپنی اولاد میدانِ (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں' تیرے عزت (وادب) والے گھر کے پاس لا بسائی ہے' اے پروردگار (تاکہ) یہ نماز پڑھیں' تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ اُن کی طرف جھکے رہیں' اور اُن کو میووں سے روزی دے تاکہ (تیرا) شکر کریں۔ اے پروردگار! جو بات ہم چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہیں تو سب جانتا ہے' اور اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں (نہ) زمین میں نہ آسمان میں۔ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھ کو بڑی عمر میں اسماعیل اور اسحاق بخشے۔ بے شک میرا پروردگار! دعا سننے والا ہے۔ اے پروردگار! مجھ کو (ایسی توفیق عنایت) کر کہ نماز پڑھتا رہوں اور میری اولاد کو بھی (یہ توفیق بخش) اے پروردگار میری دعا قبول فرما۔ اے پروردگار حساب (کتاب) کے دن میری اور میرے ماں باپ کی اور مؤمنوں کی مغفرت کرنا۔ (ابراھیم: ۳۵ تا ۴۱)

اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری

اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو' بے شک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے۔ جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا جان آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں اور نہ آپ کے کچھ کام آ سکیں؟ ابا جان مجھے ایسا علم ملا ہے جو آپ کو نہیں ملا' تو میرے ساتھ ہو جایئے میں آپ کو سیدھی راہ پر چلا دوں گا۔ ابا جان شیطان کی پرستش نہ کیجئے' بے شک شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے۔ ابا جان مجھے ڈر لگتا ہے کہ آپ کو رحمٰن کا عذاب آ پکڑے تو آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں۔ اس نے کہا کہ ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے برگشتہ ہے؟ اگر تو باز نہ آئے گا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا اور تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے دور ہو جا۔ ابراہیم نے سلام علیک کہا (اور کہا کہ) میں آپ کے لیے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا' بے شک وہ مجھ پر نہایت مہربان ہے۔ اور میں آپ لوگوں سے اور جن کو آپ اللہ کے سوا پکارا کرتے ہیں ان سے کنارا کرتا ہوں اور اپنے پروردگار ہی کو پکاروں گا۔ اُمید ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا۔ اور جب ابراہیم اُن لوگوں سے اور جن کی وہ خدا کے سوا پرستش کرتے

تھے ان سے الگ ہو گئے تو ہم نے ان کو اسحاق اور (اسحاق کو) یعقوب بخشے۔ اور سب کو پیغمبر بنایا۔ اور ان کو اپنی رحمت سے (بہت سی چیزیں) عنایت کیں اور ان کا ذکر جمیل بلند کیا۔ (مریم: ۴۱ تا ۵۰)

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

اور ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی اور ہم اُن (کے حال) سے واقف تھے۔ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ یہ کیا مورتیں ہیں جن (کی پرستش) پر تم معتکف (وقائم) ہو؟ وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پرستش کرتے دیکھا ہے۔ (ابراہیم نے) کہا کہ تم بھی (گمراہ ہو) اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے رہے۔ وہ بولے کیا تم ہمارے پاس (واقعی) حق لائے ہو یا (ہم سے) کھیل (کی باتیں) کرتے ہو؟ (ابراہیم نے) کہا (نہیں) بلکہ تمہارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے اُن کو پیدا کیا ہے اور میں اس (بات) کا گواہ (اور اسی کا قائل) ہوں۔ اور اللہ کی قسم جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں سے ایک چال چلوں گا۔ پھر اُن کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا' مگر ایک بڑے (بت) کو (نہ توڑا)' تا کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ معاملہ کس نے کیا؟ وہ تو کوئی ظالم ہے! لوگوں نے کہا کہ ہم نے ایک جوان کو اُن کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے اُس کو ابراہیم کہتے ہیں۔ وہ بولے کہ اسے لوگوں کے سامنے لاؤ تا کہ وہ گواہ رہیں۔ (جب ابراہیم آئے تو) بت پرستوں نے کہا کہ ابراہیم بھلا یہ کام ہمارے معبودوں کے ساتھ تم نے کیا ہے؟ (ابراہیم نے) کہا بلکہ یہ اُن کے اس بڑے (بت) نے کیا (ہوگا) اگر یہ بولتے ہوں تو ان سے پوچھ لو۔ انہوں نے اپنے دل میں غور کیا تو آپس میں کہنے لگے بے شک تم ہی بے انصاف ہو۔ پھر (شرمندہ ہو کر) سر نیچا کر لیا (اس پر بھی ابراہیم سے کہنے لگے کہ) تم جانتے ہو یہ بولتے نہیں۔ (ابراہیم نے) کہا کہ پھر تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جو تمہیں نہ کچھ فائدہ دے سکیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں۔ تُف ہے تم پر اور جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو اُن پر بھی' کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ (تب وہ) کہنے لگے کہ اگر تمہیں (اس سے اپنے معبودوں کا انتقام لینا اور) کچھ کرنا ہے تو اس کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ ہم نے حکم دیا اے آگ سرد ہو جا اور ابراہیم پر (موجب) سلامتی (بن جا)۔ ان لوگوں نے برا تو ان کا چاہا تھا مگر ہم نے انہی کو نقصان میں

ڈال دیا۔ اور ابراہیم اور لوط کو اُس سرزمین کی طرف بچا نکالا جس میں ہم نے اہل عالم کے لیے برکت رکھی ہے۔ (الانبیاء: ۵۱ تا ۷۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حج بیت اللہ کے لیے ندا

اور (ایک وقت تھا) جب ہم نے ابراہیم کے لیے خانہ کعبہ کو مقام مقرر کیا (اور ارشاد فرمایا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں (اور) سجدہ کرنے والوں کے لیے میرے گھر کو صاف رکھا کرو۔ اور لوگوں میں حج کے لیے ندا کر دو کہ تمہاری طرف پیدل اور دبلے دبلے اونٹوں پر جو دُور (دراز) راستوں سے چلے آتے ہوں (سوار ہو کر) چلے آئیں' تا کہ اپنے فائدے کے کاموں کے لیے حاضر ہوں اور (قربانی کے) ایام معلوم میں چہار پایان مویشی (کے ذبح کے وقت) جو اللہ نے ان کو دیے ہیں اُن پر اللہ کا نام لیں۔ اس میں سے تم بھی کھاؤ اور فقیر درماندہ کو بھی کھلاؤ۔ پھر چاہیے کہ لوگ اپنا میل کچیل دور کریں اور نذریں پوری کریں اور خانہ قدیم (یعنی بیت اللہ) کا طواف کریں۔ (الحج: ۲۶ تا ۲۹)

صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الا اللہ

اور ان کو ابراہیم کا حال پڑھ کر سنا دو۔ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ تم کس چیز کو پوجتے ہو؟ وہ کہنے لگے کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور ان کی پوجا پر قائم ہیں۔ ابراہیم نے کہا کہ جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری آواز کو سنتے ہیں؟ یا تمہیں کچھ فائدے دے سکتے یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا (نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔ ابراہیم نے کہا کہ تم نے دیکھا کہ جن کو تم پوجتے رہے ہو تم بھی اور تمہارے اگلے باپ دادا بھی وہ میرے دشمن ہیں۔ لیکن خدائے ربّ العالمین (میرا دوست ہے) جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے راستہ دکھاتا ہے۔ اور وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو مجھے شفا بخشتا ہے۔ اور وہ جو مجھے مارے گا اور پھر زندہ کرے گا۔ اور وہ جس سے میں اُمید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخشے گا۔ اے پروردگار مجھے علم و دانش عطا فرما اور نیکوکاروں میں شامل کر اور پچھلے لوگوں میں میرا ذکر نیک (جاری) کر۔ اور مجھے نعمت کی بہشت کے وارثوں میں کر۔ اور میرے باپ کو بخش دے کہ وہ گمراہوں میں سے ہے۔ اور جس دن لوگ اٹھا کھڑے کیے جائیں گے مجھے رسوا نہ کرنا' جس دن نہ مال ہی

کچھ فائدہ دے سکے گا اور نہ بیٹے۔ ہاں جو شخص اللہ کے پاس پاک دل لے کر آیا (وہ بچ جائے گا)۔ (الشعراء: ۶۹ تا ۸۹)

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی

اور ابراہیم بولے کہ میں اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں' وہ مجھے راستہ دکھائے گا۔ اے پروردگار مجھے (اولاد) عطا فرما (جو) سعادت مندوں میں سے (ہو)۔ تو ہم نے ان کو ایک نرم دل لڑکے کی خوشخبری دی۔ جب وہ ان کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچا تو ابراہیم نے کہا کہ بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں' تو تم سوچو کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا کہ ابا جو آپ کو حکم ہوا ہے وہی کیجئے' اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائیں گے۔ جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا' تو ہم نے ان کو پکارا کہ اے ابراہیم! تم نے خواب کو سچا کر دکھایا' ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ صریح آزمائش تھی۔ اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا فدیہ دیا۔ اور پیچھے آنے والوں میں ابراہیم کا (ذکر خیر باقی) چھوڑ دیا۔ کہ ابراہیم پر سلام ہو۔ نیکوکاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ وہ ہمارے مؤمن بندوں میں سے تھے۔ اور ہم نے ان کو اسحاق کی بشارت بھی دی (کہ وہ) نبی (اور) نیکوکاروں میں سے (ہوں گے) اور ہم نے ان پر اور اسحاق پر برکتیں نازل کی تھیں۔ اور ان دونوں کی اولاد میں سے نیکوکار بھی ہیں اور اپنے آپ پر صریح ظلم کرنے والے (یعنی گنہگار) بھی ہیں۔ (الصّٰفّٰت: ۹۹ تا ۱۱۳)

یہ ہیں اُن امتحانات و آزمائش کے چند پہلو جن پر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ثابت قدم رہے اور انعام کے طور پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو امام الناس' ابوالانبیاء اور حنیف کا خطاب دیا۔ دین کے لیے استقامت اور قربانیوں کا یہی جذبہ آج ذلت و مسکنت میں گھری ہوئی اُمت مسلمہ کو دوبارہ بامِ عروج تک پہنچا سکتا ہے۔ oo

میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجئے۔

تعارف وتبصرہ کتب

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام کتاب : قرآن پر عمل

مصنفہ : سمیہ رمضان

مترجم : محمد ظہیر الدین بھٹی

ضخامت : 157 صفحات ۔ قیمت : 75 روپے

ملنے کا پتہ: منشورات، منصورہ ملتان روڈ، لاہور

کتاب کی مصنفہ محترمہ سمیہ رمضان عالمہ فاضلہ خاتون ہیں جنہوں نے چند خواتین کو اکٹھا کر کے ہفتہ وار درسِ قرآن کا آغاز کیا۔ اُن کے خلوص کا یہ عالم تھا کہ خواتین کی تعداد درس میں زیادہ سے زیادہ ہوتی گئی۔ انہوں نے ایک انوکھا طریق اصلاح بھی اختیار کیا، وہ یہ کہ ہر درس کے اختتام پر حاضرات سے پوچھتیں کہ اگر تمہارا کوئی مسئلہ ہے تو بیان کیجیے۔ جب کوئی خاتون اپنا مسئلہ بیان کرتی تو وہ اُس کا حل بتاتیں۔ اس کتاب میں مصنفہ نے مختلف عورتوں کے بیان کردہ مسائل اور اُن کے حل کو بیان کر دیا ہے۔ ہر مسئلہ کسی ایک خاتون کا مسئلہ نہیں بلکہ وہی مسئلہ کئی دوسری خواتین کو بھی درپیش ہوتا۔ چنانچہ اس کے حل سے کئی عورتیں فائدہ اٹھاتی تھیں۔ تمام مسائل روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے تھے اور ان کا تیر بہ ہدف حل وہ عجیب طرح سے بیان کرتیں۔

مصنفہ اس بات پر زور دیتی ہیں کہ محض قرآن کی تلاوت کافی نہیں، بلکہ اُس کو سمجھ کر پڑھنا اور پھر اُس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ ایک عورت اپنا مسئلہ بیان کرتی ہے کہ مجھے چیخ چیخ کر بولنے کی عادت ہے۔ یہ سن کر مُدرِّسہ حاضرات کو مخاطب ہو کر کہتی ہیں کہ ہمارے اس ہفتے کی آیت یہ ہے: ﴿اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿١٩﴾﴾ (لقمٰن) ''بے شک سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے''۔ آپ سب خواتین پورا ہفتہ اس کا ورد کرتی رہیں اور جان لیں کہ

چیخ چیخ کر بولنے کو اللہ تعالیٰ نے بری آواز کہا ہے اور گدھے کی آواز سے تشبیہہ دی ہے۔ اگلے ہفتے جب حاضرات سے پوچھا تو سوال کرنے والی خاتون اور اس کے علاوہ کئی دوسری خواتین اس عادت کو چھوڑ چکی تھیں۔

اسی طرح ایک ہفتے ایک عورت کے اس مسئلے پر کہ اسے غصہ بہت آتا ہے' مُدرِّسہ نے آیت ﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ (آل عمران:۱۳۴) ''(متقیوں کی یہ صفت ہے کہ وہ) غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے (ہوتے ہیں)'' کو موضوع بحث بناتے ہوئے اس کے مطالب و مفاہیم کو بیان کیا اور اس آیت کو پورا ہفتہ دہراتے رہنے کو کہا' اور تلقین کی کہ ہر خاتون جان لے کہ غصہ پی جانے والوں اور لوگوں کو معاف کر دینے والوں کو اللہ پسند کرتا ہے۔ اگلے ہفتے اس نسخے پر عمل کی بدولت بیشتر خواتین کی اصلاح ہو چکی تھی۔ علیٰ ہٰذا القیاس مصنفہ نے اس طرح کے بہت سے واقعات اس کتاب میں یکجا کر دیے ہیں جو نہایت پرتأثیر ہیں اور ہر پڑھنے والے کو قرآنی تعلیمات کے مطابق کردار و عمل اختیار کرنے پر اُبھارتے ہیں۔

اُمید واثق ہے کہ جو شخص اس کتاب کو غور سے پڑھ لے گا ضرور اُس کے عمل میں تبدیلی آئے گی۔ وہ قرآن کی محض تلاوت پر اکتفا نہ کرے گا' بلکہ اُسے سمجھ کر پڑھنے اور اُس کی تعلیمات پر عمل کرنے کا ارادہ کر لے گا۔ کیونکہ مصنفہ کے مطابق قرآن کو سمجھ کر نہ پڑھنا اللہ کے کلام کی قدر ناشناسی ہے' جو بہت بڑی خطا ہے۔ اصل کتاب عربی میں ہے' مترجم نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ اسے اردو میں ڈھال دیا ہے۔

(۲)

نام کتاب : تذکرۃ المصنفین المعروف بہ تراجم العلماء

مصنف : ابوالقاسم محمد عثمان القاسمی

ضخامت : 512 صفحات ۔ قیمت:250 روپے

ملنے کا پتہ: القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ' برانچ پوسٹ آفس' خالق آباد' نوشہرہ' سرحد پاکستان

کتاب کے مصنف مفتی محمد عثمان بلند پایہ عالم دین تھے۔ یہ کتاب اُن کے ذوقِ تحقیق اور علمی وجاہت کا مُنہ بولتا ثبوت ہے۔ مفتی صاحب نہ صرف علومِ ظاہری میں مہارت رکھتے تھے

بلکہ طریقت اور معرفت میں بھی اُن کا پایہ بہت بلند تھا۔ انہوں نے اپنے وقت کے مشاہیر علماء سے استفادہ کیا۔ علم و معرفت کا یہ روشن چراغ ۲۵ نومبر ۱۹۸۰ء کو راہیٔ ملکِ عدم ہوا۔

یہ کتاب درسِ نظامیہ کی کتب متداولہ کے مصنفین کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس موضوع پر اردو زبان میں کوئی دوسری کتاب موجود نہیں ہے' جبکہ مدارس اسلامیہ عربیہ کے طلبہ کے لیے تراجم مصنفین کا معلوم ہونا ازبس ضروری ہے۔ چنانچہ اس کتاب نے تشنگانِ علم دین کی پیاس بجھائی ہے اور ایک ضرورت پوری کی ہے۔ یہ کتاب اکیس ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب میں معروف اہل علم کے حالات بڑی کاوش کے ساتھ جمع کیے گئے ہیں۔ چند ابواب کے عنوانات اس طرح ہیں: علمائے صرف' علمائے نحو' علمائے بلاغت' متکلمین' علمائے فقہ' علمائے اصول فقہ' علمائے فن مناظرہ' علمائے منطق و معقول' علمائے طب' علمائے ہندیہ' علمائے فن تجوید و قراءت۔ ہر باب میں متعلقہ علوم کے ماہر مصنفین کے مستند حالاتِ زندگی دیے گئے ہیں۔

طلبائے علم دین اور علمائے کرام کے لیے یہ ایک مفید کتاب ہے۔ بڑے سائز کے ۵۰۰ سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے۔ جلد مضبوط اور ٹائٹل جاذبِ نظر ہے۔

بقیہ: نماز میں صف بندی

(۱۸) سنن ابی داوٗد' کتاب الصلاۃ' باب مقام الامام من الصف۔
(۱۹) فتح الباری' ج۲' ص ۲۱۳۔ وتحفۃ الاحوذی' ج۱' ص ۱۹٤۔
(۲۰) سنن ابی داوٗد' کتاب الصلاۃ' باب الرجل یصلی وحدہ خلف الصف۔ وسنن الترمذی۔ ومسند احمد۔ وسنن ابن ماجہ۔
(۲۱) عون المعبود' ج۱' ص ۲۵۱۔
(۲۲) صحیح البخاری' کتاب الاذان' باب الصف الاوّل۔
(۲۳) سنن ابی داوٗد' کتاب الصلاۃ' باب تسویۃ الصفوف۔ ومسند احمد۔ وسنن ابن ماجہ۔
(۲٤) صحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب تسویۃ الصفوف واقامتھا وفضل الاول فالاول منھا۔ وسنن ابی داوٗد' کتاب الصلاۃ' باب صف النساء وکراھیۃ التاخر عن الصف الاول۔
(۲۵) سنن ابی داوٗد' کتاب الصلاۃ' باب صف النساء وکراھیۃ التاخر عن الصف الاوّل۔
(۲۶) فتح الباری' ج۲' ص ۲۰۸۔
(۲۷) سنن ابی داوٗد' کتاب الصلاۃ' باب تسویۃ الصفوف۔

سانحۂ کربلا

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی
عزیمت وعظمت کی صحیح تصویر

شہیدِ مظلوم رضؓ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے
مناقب اور آپ کی مظلومانہ
شہادت کے بیان پر جامع تالیف

- یہود نے عہد صدیقیؓ میں جس سازش کا بیج بویا تھا' آتش پرستانِ فارس کے جوشِ انتقام نے اسے تناور درخت بنا دیا تھا۔
- وہ آج بھی قاتلِ خلیفۂ ثانیؓ ابولولو فیروز مجوسی کی قبر کو متبرک سمجھتے ہیں۔
- علی مرتضیٰؓ کی طرح حضرت حسینؓ بھی قاتلینِ عثمانؓ کی سازش کا شکار ہوئے۔
- سید الشہداء کون ہیں اور شہیدِ مظلوم کون؟ تاریخی حقائق کو سمجھنے کے لئے

بانی تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کی دو جامع اور مختصر مگر عام فہم اور محققانہ تاریخی کتابوں

کا مطالعہ کیجئے

دونوں کتابوں کے سیٹ کی مجموعی قیمت
اشاعت خاص: 40 روپے' اشاعت عام: 24 روپے
علاوہ ڈاک خرچ

مکتبہ خدام القرآن

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 3-5869501

email:maktaba@tanzeem.org